ماهنامہ

لاہور

حکمت قرآن

مدیر مسئول :

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

البقرة : ۲۶۹

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور

جاری کردہ

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (مرحوم) ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ۔

مُدیر اعزازی : ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون مُدیر : حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶ - کے - ماڈل ٹاؤن، لاھور، ۱۴

فون : ۸۵۲۶۱۱

فہرس

جلد ۲ | شوال ۱۴۰۳ھ مطابق اگست ۱۹۸۳ء | شمارہ ٦

حرفِ اول ——— ۳

ڈاکٹر ابصار احمد

الٓمّٓ ——— ۴

سُورۃ المؤمن

ڈاکٹر اسرار احمد

اِسلام میں رہبانیت کا تصوّر ——— ۱۲

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت ——— ۱۹

(دوسری قسط)

مولانا محمد تقی امینی

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام ——— ۲۵

قسط (۵)

مولانا محمد طاسین

تعارف کُتب ——— ۵۲

سالانہ بدل اشتراک بیرونی ممالک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

● انڈیا =/۸۰ روپے، مصر، کویت، ابوظہبی، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات -/٦۰ روپے

برطانیہ =/۱۰۰ روپے، کینیڈا، امریکہ، مغربی جرمنی، افریقہ -/۱۵۰ روپے پاکستانی یا ۱۲ ڈالر امریکن

قیمت فی پرچہ ۲/۰۰ روپے سالانہ -/۳۰ روپے

ابصار احمد

حرفِ اوّل

ماہ اگست کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ قارئین کرام نے نوٹ کیا ہوگا کہ "حکمتِ قرآن" اب باقاعدگی سے ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک دفتر سے حوالۂ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ہماری حتی المقدور کوشش یہی رہے گی کہ پرچے کی طباعت اور ترسیل کا یہ پروگرام بلا تاخیر جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ارادے کو پورا کرنے کی ہمّت و صلاحیت دیں اور دین متین کی خدمت کی اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت بخشیں۔ آمین

اس شمارے میں الٓمٓ کے ضمن میں سورۂ مومن کی مختصر تشریح دی جارہی ہے مولانا محمد طاسین صاحب کے مقالے کی قسط پچھلے دو شماروں میں کاتب صاحب کی علالت کے باعث نہ دی جاسکی تھی۔ زیرِ نظر شمارے میں مولانا موصوف کے انتہائی وقیع مقالے کی ایک مفصّل قسط شامل اشاعت ہے۔ امید ہے قارئین اسے خیال افروز پائیں گے۔ ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب کا مقالہ بعنوان "اسلام میں رہبانیت" بھی انتہائی وقیع علمی مقالہ ہے۔ یہ مقالہ ادارہ حکمتِ قرآن کو چند ماہ بیشتر موصول ہوا تھا۔ ہم معذرت خواہ ہیں کہ اس کی اشاعت میں بوجوہ تاخیر ہوئی۔

"قرآنی علم و فہم کا درجۂ حکمت" کے عنوان سے مولانا محمد تقی امینی صاحب کا ایک بصیرت افروز مضمون 'حکمتِ قرآن' کی پہلی باقاعدہ اشاعت بابت مئی ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا تھا۔ مولانا موصوف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سُنّی دینیات کے صدرِ شعبہ ہیں۔ مولانا کا یہ مضمون دراصل اس موضوع پر سلسلہ وار تحریر کا پیش خیمہ تھا جو انہوں نے انجمن کے زیرِ اہتمام منعقدہ محاضراتِ قرآنی کے لئے ارسال کیا تھا۔ اس مضمون کی بقیہ اقساط ہندوستان کے ایک موقر جریدے "احتت. میں شائع ہو چکی ہیں۔ مولانا تقی امینی نے ازراہِ لطف و کرم ان بقیہ اقساط کو بھی 'حکمتِ قرآن' میں شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کی دوسری قسط اس شمارے میں شامل کی جارہی ہے۔ آئندہ ان شاء اللہ تسلسل کے ساتھ بقیہ اقساط کو حکمتِ قرآن میں شائع کیا جائے گا۔

سلسلۂ تقاریر آلٓ حٰمٓ

سُورۃ المؤمن

مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۚ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۙ

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ ؕ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۔ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

(سُورۃُ المؤمن)

قرآن حکیم کی ان سُورتوں کے بارے میں مختصر گفتگو کے بعد جن کا آغاز ایک ایک حرف سے ہوتا ہے، یعنی سُورۃ نٓ، سُورۃ قٓ، سورۃ صٓ، اب ہم متوجہ ہوتے ہیں قرآن حکیم کی ان سُورتوں کی جانب جن کے آغاز میں دو دو حروف مقطعات آئے ہیں۔ ان کی کل تعداد ۹ ہے اور اس میں غالب اکثریت ان سُورتوں کی ہے جن کا آغاز "حٰمٓ" سے ہوتا ہے۔

حروف مقطعات کے معنی اور مفہوم کے بارے میں پہلے دن کچھ بنیادی باتیں عرض کی جا چکی ہیں۔ یہاں صرف یہ نوٹ فرمالیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے نزدیک حٰمٓ مخفف ہے اللہ کے نام رحمان کا یعنی پہلا حرف "ر" چھوڑ دیا گیا اور آخری حرف "ن" بھی چھوڑ دیا گیا اور درمیانی دو حروف "ح" اور "م" لے لئے گئے۔ جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے اس ضمن میں کوئی حتمی اور قطعی بات کہنا تو ممکن نہیں ہے۔ تاہم یہاں ایک معنوی ربط موجود ہے اور وہ یہ

کہ ان تمام سُورتوں میں حٰمٓ کے بعد قرآن مجید کا ذکر ہے - اس طرح گویا کہ وہی ربطِ معنوی سامنے آتا ہے جو سورہ رحمٰن کے آغاز میں ہے یعنی

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝

ڈاکٹر رشاد خلیفہ صاحب نے قرآن مجید کے جس حسابی نظام کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حٰمٓ کے بارے میں بھی بالکل صحیح ہے - ان تمام سُورتوں میں اگر ح اور م کی تعداد جمع کی جائے تو وہ ۲۱۶۶ بنتی ہے جو ۱۹ کا ۱۱۴ سے صحیح حاصل ضرب ہے اور یہ بات بھی بہت معنی خیز ہے کہ قرآن حکیم کی کل سورتوں کی تعداد بھی ۱۱۴ ہی ہے -

اس سلسلۂ سُوَرْ کی اوّلین اور متعدد اعتبارات سے عظیم ترین سُورۃ سورۃ مومن ہے، جو مصحف میں سورۃ صٓ سے ایک سُورۃ کے فصل پر چوبیسویں پارے کے ربع کے بعد سے شروع ہوتی ہے - اس سُورۃ مبارکہ کا ایک نام سورۃ غافر بھی ہے اور یہ ۸۵ آیات پر مشتمل ہے جو ۹ رکوعوں میں منقسم ہے - اس سورہ مبارکہ کے آغاز میں

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ

کے فوراً بعد تیسری آیت میں اللہ تعالٰی کی چار شانوں کا ذکر ہے. بڑے پیارے انداز میں

غَافِرِ الذَّنْۢبِ، وَقَابِلِ التَّوْبِ، شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ

وہ گناہوں کا بخشنے والا ہے - توبہ کا قبول فرمانے والا ہے - البتہ سزا دینے میں بھی بہت شدید اور سخت ہے اور بہت صاحبِ مغفرت، بڑا صاحب فضل ہے - اور اس کے فوراً بعد توحید کا ذکر بھی ہے اور معاد کا بھی -

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

اس سورۃ مبارکہ کی آیت نمبر ۱۱ میں حقیقت حیات انسانی کے ضمن میں ایک لطیف پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے - یہ تو ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ ہماری ایک زندگی یہ دنیا کی زندگی ہے جو ہم اس وقت بسر کر رہے ہیں - اس کے بعد موت وارد ہوگی اور پھر بعث بعد الموت کا مرحلہ آئے گا اور حیات اخروی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو ابدی ہے لیکن حیات انسانی کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں آنے سے قبل بھی انسان ایک موت کی نیند سو چکا ہے اور اس سے پہلے ایک زندگی تھی جسے وہ گذار آیا ہے - یہ زندگی عالم ارواح کی زندگی تھی - ہماری تخلیق اول، یعنی پہلی تخلیق، عالم ارواح میں ہوئی اور وہاں تمام انسانوں کی جو حضرت آدم سے لیکر اُس آخری انسان تک جو اس دنیا میں آنے والے ہیں اُن سب کی ارواح بیک وقت موجود تھیں جس کا نقشہ حدیث شریف میں کھینچا گیا ہے - اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ کے الفاظ میں، یہ ارواح لشکروں کی صورت میں تھیں - اور اسی دور کا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام انسانی ارواح سے ایک عہد لیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ اعراف میں ہے - اور اسے عام طور پر عہد الست کے نام سے جانتے ہیں - اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا -

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى

کیا میں ہی تمہارا رب اور مالک نہیں ہوں - اور ہم سب نے یہ اقرار کیا تھا "بلیٰ" پروردگار ہمیں تسلیم ہے تو ہی ہمارا رب ہے - گویا کہ انسانی زندگی کی عظمت کا ایک رُخ یہ بھی ہے - اس کی طرف اشارہ ہوا اس سورۃ مبارکہ کی آیت نمبر ۱۱ میں - جہاں اہل جہنم کی دُعا یا فریاد نقل ہوئی کہ وہ جہنم میں فریاد کریں گے -

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا

بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ○

"اے پروردگار ہمارے تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا، دو مرتبہ ہم پر موت وارد کی۔ اور دو مرتبہ ہمیں جلایا۔ ہمیں زندہ کیا تو اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا تو کیا یہاں سے بھی نکلنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔" یہ دو موتیں اور دو زندگیاں "دو بار" اماتہ " اور دو بار" احیاء" تخلیق اول عالم ارواح میں ہوئی اور اسکے بعد ایک موت یا یوں کہیں کہ ایک نیند کا وقفہ آیا اور ہم سو گئے پھر جب جاگے تو اس عالم دنیا میں اس جسد مادی کے ساتھ اس کی "انبساط ہوئے" دل پر وارد ہو گئے۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ موت وارد ہوگی اور پھر دوسری مرتبہ احیاء ہوگا۔ اور عالم آخرہ یعنی حیات اخروی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

اس سورت مبارکہ میں آیت نمبر ۲۳ سے آیت نمبر ۵۰ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ماجرا بیان ہوا ہے۔ اور اس میں غالب حصہ قوم فرعون کے ایک مرد مومن کی تقریر کا ہے۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعوت رسالت کا آغاز فرمایا تو آل فرعون کے بعض عمائد اور بعض ذمہ دار لوگوں نے فرعون سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے۔ ورنہ اس کا خدشہ ہے کہ وہ ہمارا دین بدل دے۔ فرعون اس وقت طاقت کے نشے میں تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسے کبھی کچھ محبت بھی ہو۔ اس لئے کہ بہر حال دونوں ایک ہی جگہ پلے بڑھے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش بھی فرعون کے محل میں کرائی تھی۔ بہرحال اس وقت اس نے یہ جواب دیا تھا کہ مختصر سی تعداد میں یہ لوگ ہیں۔ چند سر پھرے ہیں۔ ان سے کوئی اندیشہ نہیں ہے اور ہم ان پر پوری طرح قابو یافتہ ہیں۔

لیکن بعد میں وہ مرحلہ آیا کہ خود فرعون نے یہ محسوس کیا کہ جب میں نے

مشتعل ہو جائے۔ اس نے بہت بڑی آندھی کی صورت اختیار کرلی جو خود میرے اقتدار کے تخت کو چیلنج کر رہی ہے۔ اس وقت اس نے اپنے دربار میں اپنے عمائد اور ارکان سلطنت کے سامنے تجویز رکھی۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں

ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ

"مجھے چھوڑ دو (یعنی اجازت دو) کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں۔ وہ پکار دیکھے اپنے رب کو۔"

اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ایک مختصر بات کہہ کر معاملہ ختم کر دیا کہ تمہاری ان تمام تجویزوں اور فیصلوں کے مقابلے میں صرف اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ۔ لیکن آل فرعون اور اُس کے درباریوں ہی میں سے ایک صاحب اٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت صاحبِ وجاہت ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے لیکن تاحال انہوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا تھا۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ Situation سامنے ہے کہ جس میں اپنے ایمان کا واشگاف اعلان کرنا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے کھڑے ہو کر جو تقریر کی اس کا سب سے پہلا جملہ بڑا ہی پیارا جملہ ہے۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ

ہوش کے ناخن لو، سوچو، آخر موسیٰ کا جرم کیا ہے۔ جس پر تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم ایک شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو۔ صرف اس جرم کی پاداش میں کہ وہ یہ کہتا ہے کہ "میرا رب اللہ ہے"۔ — ان کی تقریر کا جو اثر ہوا ہے اس کا اندازہ تو آپ بعد میں کیجئے گا۔ ذرا ذہن میں تازہ کیجئے کہ بعینہٖ یہی وہ الفاظ تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے نکلے تھے جب عین مسجد حرام میں کفار قریش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ——— دست درازی کرنا چاہتے

تھے تو حضرت ابو بکرؓ آگے آئے اس وقت انہوں نے یہی الفاظ فرمائے تھے

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ

کیا تم ایک شخص کو قتل کرنے کے در پے ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں ایک رب کا ماننے والا ہوں اور میرا رب اللہ ہے۔

یاد ہو گا کہ اس وقت کفار قریش نے حضور کو تو چھوڑ دیا مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو مارنا شروع کیا تو ادھ موا کر دیا اور اس وقت چھوڑا کہ جب وہ اپنی دانست میں یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی موت واقع ہو چکی ہے۔

بہرحال مومن آل فرعون کی تقریر کا اثر یہ ہوا کہ فرعون نے اپنے آپ کو بالکل بے بس پایا۔ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے خطاب سے تمام درباریوں پر ایک اثر قائم ہو گیا تھا ان کے دلائل سے سب کے سب قائل ہو گئے تھے اور اب فرعون جو ایک طرف تو خدائی کا دعویدار اور مطلق العنان بادشاہ تھا، لیکن اب اس کا حال یہ نظر آتا ہے کہ جیسے بالکل بے بس ہو چکا ہے۔ اس کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝

"فرعون نے کہا، لوگو! جو میری رائے تھی وہ میں نے تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ میری دانست میں جو کامیابی کی سبیل تھی وہ میں نے تمہارے سامنے کھول دی ہے"۔

اب اگر تم نہیں مانتے تو بہرحال اس کی ذمہ داری تو تم پر ہو گی"۔ اسکے جواب میں جو الفاظ آتے ہیں، اس مرد مومن کے وہ یہ ہیں۔

يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝

"اے میری قوم کے لوگو! میرا کہنا مانو میرے پیچھے چلو۔ میں تمہیں وہ

اسلام میں رہبانیت کا تصور

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

ادیان سابقہ اور مذاہب جدیدہ میں روحانیت کا طرۂ امتیاز گوشہ نشینی اور ترکِ دنیا ہے۔ ہندوستان میں سادھو، جوگی، یہودیت میں احبار، عیسائیت میں رہبان، سکھ مت میں گرو کیانی، اسی ترکِ دنیا کا نتیجہ ہیں۔ وہ دنیوی امور و معاملات سے نفرت سکھاتے ہیں اور ان سے فرار کو منتہائے مقصود قرار دیتے ہیں۔ روحانی ادیان و مذاہب کے مقابلے میں مادی اور الحادی نظام ہیں، جو دنیا و ما فیہا ہی کو مقصودِ حیات ٹھہراتے ہیں۔ عقل کو آخری قوت قرار دیتے ہیں۔ وحی و الہام کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے اس میں نہ کلیتًہ ترکِ دنیا کی گنجائش ہے اور نہ لہو و لعب ہی مقصودِ حیات ہے۔ یہ دین وحیٔ الٰہی پر مبنی ہے اور وحیٔ الٰہی دنیا و آخرت دونوں پر محیط ہے۔

مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ
مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ

سابقہ ادیان میں رہبانیت اور ترکِ دنیا کو مذہب کا نمایاں وصف قرار دیا جاتا تھا اور جو شخص اس وصف سے جتنا زیادہ متصف ہوتا تھا، وہ اتنا ہی زیادہ مذہبی اور دیندار قرار پاتا تھا، ان تارک الدنیا احبار و رہبان کے مقابلے میں جو لوگ دنیوی امور اور معاشی مسائل کے حل میں مصروف ہوتے، تسخیر کائنات اور علوم انفس و آفاق میں مشغول ہوتے، انہیں احساس گناہ میں مبتلا کر دیا جاتا۔ انہیں سمجھایا جاتا کہ جو لوگ ترکِ دنیا پر قدرت رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرح قابل پرستش ہیں۔ ان کی پوجا کی جانی چاہیئے جسے قرآنِ حکیم نے اس آیت میں بیان فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ [1]

"انہوں نے اپنے علماء اور مذہبی پیشواؤں کو اللہ کے سوا رب قرار دے لیا"

تارک الدنیا، روحانی پیشوا، لوازمات حیات سے تو بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے، مگر وہ ان کے حصول کو معیوب قرار دیتے تھے۔ اس تضاد کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں گزر اوقات کے لیے دوسروں کی کمائی پر انحصار کرنا پڑتا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہیں باطل ذرائع روزی اختیار کرنے پڑتے وہ اس کا طریق کار یہ اپناتے کہ احساسِ گناہ میں مبتلا دنیاداروں کے دلوں میں نجات کی تمنا پیدا کرتے پھر اس تمنا کو گنہگاروں کے اموال کے ساتھ جوڑ دیتے، پھر اس بات کو شہرت دیتے کہ جو لوگ نجات چاہتے ہیں وہ اپنی کمائی ان کے قدموں پر نچھاور کریں۔ قرآن حکیم نے اس روحانیت اور اس کی بنیاد پر حاصل کردہ کمائی کو باطل ذریعہ روزگار قرار دیا۔ ارشاد قرآنی ہے:

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [2]

اکثر یہودی علماء اور عیسائی مذہبی پیشوا لوگوں کی کمائی باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

یہی وہ مادی اسباب تھے جنہوں نے دین میں رہبانیت کو جگہ دی، ورنہ اصل دین میں ابتدا ہی سے ترکِ دنیا اور رہبانیت کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ بعد کی پیداوار ہے جسے لوگوں کی کمائی باطل طریقے سے کھانے کے لیے ایجاد کیا گیا:

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ [3]

اور گوشہ نشینی کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا

سابقہ ادیان میں خود ساختہ روحانیت، اسلام کے لیے ہرگز قابلِ قبول نہ تھی۔ اس میں دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے: الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

---

[1]: قرآن حکیم (توبہ ۹ : ۳۱)   [2] قرآن حکیم (توبہ ۹ : ۳۴)
[3]: قرآن حکیم (الحدید ۵۷ : ۲۷)

دین و دنیا، عبادات و معاملات میں حسین امتزاج پیدا کیا گیا۔ خود ساختہ روحانیت
اور مادہ پرستی کی انتہاپسندی ختم کر کے دینی اور دنیوی امور و معاملات میں اعتدال
توازن پیدا کیا۔ مادہ پرستوں کو سمجھایا :

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ [1]

"یہ حیاتِ دنیا محض متاعِ فریب ہے ۔"

قرآن و سنّت کی انہیں مستند، لازوال اور ہمہ گیر تعلیمات کی بنیاد پر ترک
دنیا اور رہبانیت والی روحانیت کے خلاف پوری قطعیت کے ساتھ اسلام کے
دوامی فیصلہ کا اعلان ہوا :

لا رهبانية في الاسلام [2]

رہبانیت کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

اسلام کو ادیانِ عالم پر جو فوقیت حاصل ہے، اس کا بنیادی سبب یہ ہے
یہ دینِ انسان کی جملہ خداداد صلاحیتوں کی مِن کل الوجوہ پرورش و تکمیل کرتا ہے
یہ اذہان و قلوب کو دینی و روحانی اقدار سے سرشار کرتا ہے اور اجسام و ابدان
حلال و جائز ذرائع سے سیراب کرتا ہے۔ یہ دین انسان کی اندرونی دنیا کو منور کرتا
اور بیرونی دنیا کو حسین و جمیل بناتا ہے۔ یہ انسان کو دنیا سے فرار کے بجائے ا
میں قرار کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ مظاہرِ فطرت کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے بجائے ا
کی تسخیر کا سبق دیتا ہے۔ یہ ظلم کی جگہ عدل، منافقت کی جگہ صداقت، ضعف کی
قوت، جہالت کی جگہ علم، ویرانی کی جگہ آبادی، یبوست کی جگہ تازگی، تعصب کی
توازن، تشدد کی جگہ اعتدال پیدا کر کے، انسان کو انسان بناتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرار و ترکِ دنیا والی روحانیت کی ج

---

[1] : قرآن حکیم (آل عمران ۳ : ۱۸۵)

[2] : اس مفہوم کی دوسری روایات اس طرح بیان ہوئی ہیں :

(۱) ان الرهبانية لم تكتب علينا (احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۲۶)

(۲) انی لم اومر بالرهبانية (دارمی نکاح ۳)

انسانیت کو جہاد و جہدِ حیات والی روحانیت سے متعارف فرمایا۔ مومن ذاتی اغراض نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کو قابو میں لانے کی جدوجہد میں مصروف ہو یا دنیا سے ظلم و استبداد اور کفر و الحاد کے انسداد کے لیے میدان کارزار میں تیغ و سنان اور توپ و طیارہ کے ساتھ جرأت و شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہو۔ وہ دونوں صورتوں میں روحانیت کی منازل طے کر رہا ہوتا ہے، اسلامی تعلیمات کے تابع جہدِ حیات اور جہاد سیف و قلم میں بھرپور شرکت اور لطف اندوزی اسلامی روحانیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس طرزِ روحانیت کو اپنانے والے اور اس منفرد روحانیت سے انسانیت کو روشناس کرانے والے ختم الرسل، خیر البشر، اشرف الانبیاء نے فرمایا:

وعلیک بالجهاد فانه رهبانية الاسلام[1]

تم پر جہاد فرض ہے کیونکہ جہاد اسلام کی رہبانیت ہے۔

واہ سبحان اللہ! آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا خوب اسلامی روحانیت کی تعریف فرمائی! کہاں وہ رہبانیت والی روحانیت جو دنیا سے فرار سکھا کر انسان کو آبادی سے ویرانی، اعتدال سے انتہا، اور توازن سے تشدّد کی طرف لے جاتی ہے اور کہاں یہ جہاد والی رہبانیت جو دنیا سے ظلم و جور ختم کر کے عدل و انصاف کے قیام پر آمادہ کرتی ہے اور جس سے عین میدان جنگ میں معجزات کا ظہور ہوتا ہے: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ[2]

اور نہ پھینکا تھا تُو نے جس وقت پھینکا تھا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔

اور کہا اقبال نے:

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھُوَ اللہُ اَحَدٌ کہتے تھے
آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز!
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز!

---

[1] مسند احمد بن حنبل ۳، ۸۲-۲۶۶ [2] قرآن حکیم (انفال ۸: ۱۷)

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت علوم انفس و آفاق میں انہماک، تسخیر کائنات میں مسابقت جہدِ حیات میں جرأت وشجاعت، عزم و استقامت اور صبر و استقلال کے کارہائے نمایاں دکھلاتے وقت قلب و ذہن کی پاکیزگی، حرص و طمع اور متاعِ حیات سے اجتناب، خشیتِ الٰہی کے تلازم اور للہیت کو اپنانے کی تعلیم دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ اسی روحانیت کا عملی نمونہ اور آپ کا اسوۂ حسنہ اسی کی زندہ و تابندہ تصویر ہے ـــ قرآن حکیم نے آپ کی رات کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے :

یٰٓاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ
مِنْہُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ [1]

یہ آپ کی شب بیداری کی کیفیت تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس دوران آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے اور آپ کے سینے سے چکی کی گڑگڑاہٹ کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ قیام لیل اس لیے تھا کہ انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے بھاری ذمہ داری آپ پر ڈالی جا رہی تھی :

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ [2]

"تحقیق ہم ڈالیں گے آپ پر بھاری بات ۔"

شب بیداری نفس کشی اور سیدھی بات کی تربیت کے لیے ضروری ہے : اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ۝ [3]

"رات کا اٹھنا بہت سخت ہے نفس کو کچلنے کے لیے اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو"

اسلامی روحانیات میں یہ رات کا پروگرام بیان ہوا۔ اب ملاحظہ ہو دن کا لائحہ عمل جو قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیان کیا ہے۔

اِنَّ لَکَ فِی النَّہَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ۝ [1]

---

[1] قرآن حکیم (المزمل ۷۳ : ۱ تا ۴) [2] قرآن حکیم (المزمل ۷۳ : ۵)
[3] قرآن حکیم (المزمل ۷۳ : ۶)

" دن بھر کے دوران آپ کے لیے طویل مشاغل ہیں ۔

ان طویل سیاسی، معاشرتی، معاشی مصروفیات و مشاغل عدالتی تعلیمی، تنظیمی امور و مسائل، زرعی تجارتی، صنعتی معاملات کی انجام دہی کے دوران مخالفین و معاندین اسلام کی طرف سے جب مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے تو ایسی صورت میں اسلامی روحانیت کا تقاضا یہ نہیں کہ مومن دنیا سے فرار اختیار کر کے گوشہ نشین بن جائے اور انسانیت کو درندہ خصلت ظالمین و مستبدین کے سپرد کر دے بلکہ مومن دنیا میں قرار حاصل کر کے جم کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرے، قوت و طاقت اور ذرائع و وسائل کی فراہمی کے لیے ذکرِ الٰہی اور توکل علی اللہ کو اپنائے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ؎۲

اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور اس کی طرف منقطع ہو جایئے۔ پوری طرح منقطع ہو جانا

کیونکہ وہ مشرق و مغرب کے تمام ذرائع و وسائل کا خالق بھی ہے اور ان پر قادر بھی ہے۔ اس لیے اس سے بہتر کوئی وکیل اور وسیلہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اسی کو وسیلہ پکڑیئے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ؎۳ اس کشاکشِ حیات اور کرب و بلا کے درمیان اعدائے اسلام، جو کچھ زبان طعن دراز کریں، جس قسم کی الزام تراشی اور بہتان طرازی سے کام لیں اور جس طرح کے کذب و افتراء کا بازار گرم کریں، آپ کامل سکون، مکمل اطمینان اور پوری یک جہتی کے ساتھ صبر و ضبط اور استقامت و استقلال کا دامن تھامے رہیں۔ ان کی ہرگز پرواہ نہ کریں اور نہ انہیں درخورِ اعتنا سمجھیں۔

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ؎۴

" جو کچھ وہ کہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور انہیں چھوڑ دیجئے اچھی طرح چھوڑنا۔"

ان مباحث سے سیرت طیبہ و طاہرہ کی روشنی میں رات کے دوران اسلامی روحانیت کے اجزائے ترکیبی یہ ہوئے:

؎۱ قرآن حکیم (المزمل ۳، ۷) ؎۲ قرآن حکیم (المزمل ۷۳: ۸)

؎۳ قرآن حکیم مزمل ۷۳، ۹

ناشئۃ لیل، قیام لیل، ترتیل قرآن،
اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق دن کے دوران عناصر روحانیت یہ ہوئے:
سبح طویل، تبتل الی اللہ، اتخاذ وکیل، ہجر جمیل۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن نفوسِ قدسیہ کو اپنی تعلیم و تربیت سے اسلامی، دینی اور روحانی تعلیمات و اقدار کے سانچے میں ڈھالا وہ بھی اسی روحانی زندگی کا عملی نمونہ تھے۔ قرآن وسنت کی مسلّم حقیقت اسلام کی مستند صداقت اور امتِ مسلمہ کا بھی اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلامی روحانیت کے شاہکارِ عظیم تھے۔ ان سے بڑھ کر قیامت تک کوئی بڑی روحانی شخصیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ ان پاکیزہ ارواح کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں جو روحانی تسکین، قلبی سکون اور ذہنی طمانیت بدر و احد اور خندق و حنین کی معرکہ آرائیوں اور میدانوں میں حاصل ہوئی تھی، وہ لاریب یہودی احبار، عیسائی رہبان، ہندو جوگیوں و سادھوؤں، سکھ گرو گیانیوں کو پہاڑوں، غاروں، خلوتوں، مندروں اور سمادھیوں میں ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی۔ صحابہ کرام کی انہیں صفات عالیہ اور اوصاف فاضلہ کے سبب ان کی تعریف یہ کی گئی ہے:

هم باللیل رهبان وبالنهار فرسان [۲]

"وہ رات کو تہجد گزار اور دن کو شاہسوار تھے۔"

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [۳]

"اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہ فوز عظیم ہے۔"

مزمل و مدثر، یٰسٓ و طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کے طفیل دنیا "رہبان و فرسان"، تہجد گزار اور شاہسوار کے حسین امتزاج والی روحانیت سے روشناس ہوئی، اور آپ نے انسانیت کو فرارِ دنیا کے بجائے قرارِ دنیا کا سبق سکھایا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

---

[۱] قرآن حکیم (المزمل ۷۳: ۱۰)
[۲] سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ص ۱۸۲۔ مطبع معارف اعظم گڑھ (بھارت)
[۳] قرآن حکیم (المائدہ ۵: ۱۱۹)

مولانا محمد تقی امینی

قرآنی علم وفہم کا درجۂ حکمت

(دوسری قسط[۱])

قرآن حکیم کتابِ فطرت ہے۔ اس کے علم وفہم میں درجۂ حکمت تک رسائی کے لئے انسانی سماج اور قرآنی آیات میں فطری نقطۂ نگاہ سے غور وفکر کی ضرورت ہے جو خود اس نے پیش کیا ہے۔

انسان کی پیدائشی بناوٹ سے متعلق جو آیتیں ہیں ان میں غور وفکر سے فطری نقطۂ نگاہ کا تعین ہوتا ہے۔ مثلاً

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[۱] "ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا"

یہ سورۂ والتین کی آیت ہے جس کا موضوع ہی فطرت کی نقاب کشائی ہے۔

"تقویم" کے معنی سیدھا کرنا، مناسب انداز میں ڈھالنا اور مہذب وآراستہ کرنا جیسا کہ لغت وتفسیر میں یہ معنی منقول ہیں۔

قومتہ فاستقام[۲]	میں نے اس کو سیدھا کیا پس وہ سیدھا ہوگیا۔
قومہ الدھر ای جعلہ متزنا حصیف الرأی والعقل[۳]	زمانے نے اس کو سیدھا کر دیا یعنی موزوں صائب الرائے اور دوراندیش بنا دیا۔

۱؎ سورہ والتین آیت ۴ ۲؎ فخر الدین رازی۔ تفسیر کبیر سورہ والتین ۳؎ محمد علی صابونی صفوۃ التفاسیر سورۂ والتین

التقويم تصيير الشئی علی ماینبغی ان یکون فی التالیف والتعدیل[1]	تقویم کا مطلب ہے ایک چیز کو اس طرح متناسب و متوازن بنانا جس طرح کہ اسے ہونا چاہیئے۔
تقویم الشئی تثقیفه[2]	کسی شے کی تقویم، اس کو مہذب و آراستہ کرنا ہے۔

احسن تقویم کی تفسیر میں مفسرین سے یہ منقول ہے:-

(۱) انسان میں وہ صفتیں نقش ہیں جو اللہ کے لئے مذکور ہیں وہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو کائنات میں موجود ہیں[3]

(۲) روحانی خصوصیتوں کے ذریعے انسان اس بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں ملائکہ مقربین نہیں پہنچتے ہیں فطری صلاحیتوں کے ذریعے ان کمالات کو حاصل کر لیتا ہے جو اس کے لئے مقدر ہیں[4]

(۳) انسان کی فطرت خیر کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، اس کو خیر و شر کا علم ہے، دونوں کی طرف میلان ہے اور کرنے و نہ کرنے میں اس کو اختیار ہے[5]

"احسن تقویم" کے ثبوت میں چار چیزوں (انجیر، زیتون، طور سینا اور مکہ معظمہ کی قسم کھائی گئی ہے جن کی عظمت و بڑائی بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ثبوت میں بطور شہادت ان کو پیش کرنا مقصود ہے، جیسا کہ اس آیت میں یمین (قسم) اور شہادت کے طریق استعمال سے قرآنی قسموں کی نوعیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ تا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[6]

"جب منافق آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپؐ اس کے رسولؐ ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بالکل جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں

---

[1] تفسیر کبیر [2] راغب اصفہانی، المفردات فی غرائب القرآن
[3] قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری سورۂ وَالتِّین [4] سید قطب فی ظلال القرآن سورۂ وَالتِّین
[5] حمید اللہ فراہی تفسیر وَالتِّین [6] المنافقون آیت ۱-۳

(شہادت) کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ وہ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں
بلاشبہ یہ نہایت ہی بُرا کام کر رہے ہیں۔"

ثبوت میں جن چار چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا گیا ہے ان سے وہ علاقے اور مقامات مراد ہیں جن میں صاحب شریعت اور اولوالعزم پیغمبر "احسن تقویم" کے اعلیٰ نمونہ بنا کر بھیجے گئے اور جن کی زندگی کا مشن ہی اس کی طرف دعوت دینا تھا۔ چنانچہ "تین" کے معنی انجیر ہے لیکن محققین مفسرین کے نزدیک اس سے جودی پہاڑ و اطراف کا وہ علاقہ مراد ہے جس میں انجیر کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور جو حضرت نوح علیہ السلام کا مستقر اور طوفان نوح کے بعد "احسن تقویم" کی دعوت کا اوّلین مرکز تھا۔ "زیتون" سے شام کے پہاڑ کا وہ علاقہ مراد ہے جس میں زیتون کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور جو بہت سے انبیاء علیہم السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مستقر و "احسن تقویم" کی دعوت کا میدان تھا۔ "بلد امین" (امن کا شہر) سے مکہ معظمہ مراد ہے جس میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اعلیٰ نمائندگی موجود تھی اور جو خانہ کعبہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے "احسن تقویم" کی دعوت کا مرکز قرار پایا۔

جس طرح قرآن حکیم میں بکثرت علاقے و مقامات کے تذکرہ سے وہاں کے باشندوں کو بطور ثبوت پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا [1] — یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم آپ کو سناتے ہیں۔

اسی طرح ان علاقوں اور مقامات کے تذکرہ سے بھی وہاں کے ان باشندوں (انبیاء علیہم السلام) کو بطور شہادت پیش کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے جو "احسن تقویم" کے گل سرسبد ہیں۔ پھر اس طرز بیان میں شہادت کی جو جامعیت ہے وہ کسی اور طرح نہیں پیدا ہو سکتی کہ یہ علاقے و مقامات نہ صرف احسن تقویم کے شاہد ہیں بلکہ ضمناً اسفل سافلین (پست ترین درجہ) کے بھی شاہد ہیں جو خلاف ورزی کی وجہ سے شقاوت و محرومی کے مستوجب قرار پائے تھے۔

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۱۰۱

"احسن تقویم" کی مذکورہ عظمت و رفعت نورِ فطرت کی وجہ سے ہے جو
اس میں پیوست ہے اور جس کا ربط و تعلق نورِ وحی سے ہے، جیسا کہ قرآنِ حکیم کی
اس آیت میں اشارہ ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ	اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں
عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ[1]	کو پیدا کیا، اللہ کی بناوٹ میں کوئی
	تبدیلی نہیں ہے

"فطرت" کے لغوی معنی آٹا گوندھ کر خمیر آنے سے پہلے روٹی پکانا ہے
"تفطر العجین" اس وقت کہا جاتا ہے جب آٹا گوندھ کر روٹی پکائی جائے[2]
پھر معنی میں توسیع ہو کر کسی شے کو خاص ہیئت پر ایجاد کرنے اور گھڑنے میں فطرت
کا استعمال ہونے لگا، چنانچہ "تفطر الخلق" کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں۔

وھو ایجادہ الشئی وابداعہ	اللہ کا کسی چیز کو ایسی ہیئت میں
علی ھیئۃ مترشحۃ بفعل	گھڑنا کہ جس کے لئے اس کو پیدا کیا
من الافعال[3]	گیا ہے وہ اس کے لائق ہو جائے۔

انگریزی و عربی لغت میں فطرت کی یہ تعریف کی گئی ہے:
"بچّہ کی وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ میں
پیدا کیا جاتا ہے۔[4]"

مذکورہ آیت میں فطرت سے مراد نورِ فطرت ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ
میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے اور جس کو قریب الفہم بنانے کے لئے مختلف
تعبیرات (توانائی، قوت، استعداد، میلان وغیرہ) اختیار کی جاتی ہیں۔ چنانچہ راغب اصفہانی
نے آیت فطرۃ اللہ ...... الخ میں فطرت کی یہ تعبیر اختیار کی ہے۔

ھی ما رکز فیہ من	اللہ کی فطرت سے وہ قوت مراد ہے
قوتہ علی معرفۃ الایمان[5]	جو ایمان کی معرفت کے لئے پیوست

---

[1] سورہ روم آیت ۳۰ [2] مجدالدین الشیرازی، قاموس، فطر [3] ایضاً
[4] ARABIC ENGLISH LAXICAN By EDWARD
[5] راغب اصفہانی فی غرائب القرآن

کردی جاتی ہے۔

قاضی بیضادی کہتے ہیں

وھی قبولھم للحق وتمکنھم من ادراکہ [1]	حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی جو استعداد وقدرت ہوتی ہے اس کا نام فطرت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہتے ہیں :

لان الانسان خلق فی اصل الفطرۃ ماثلا الی بارئہ بل محبدہ وذلک المیل امر دقیق [2]	انسان کی اصل فطرت میں اپنے بزرگ و برتر پیدا کرنے والے کی طرف میلان پیدا کیا گیا ہے اور یہ میلان نہایت دقیق امر ہے۔

نورِ فطرت کا ثبوت قرآنِ حکیم کی اس آیت میں ہے :

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ [3]	کیا جو لوگ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہیں پھر اس کے بعد ایک گواہ بھی آجاتا ہے اور پہلے موسیٰؑ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت سے موجود ہے ایسے ہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔

"بیّنہ" کے معنی روشن دلیل وحجت کے ہیں۔ یہاں نورِ فطرت مراد ہے جو روشنی و رہنمائی کے لئے انسان کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے۔ شاھد کے معنی گواہ ہیں۔ یہاں نورِ وحی (کتابِ الٰہی) مراد ہے جس کی حیثیت اندر کی آواز (نورِ فطرت) کے لئے آسمانی شاہد کی ہے [4]

---

[1] قاضی بیضادی، تفسیر بیضادی، روم آیت ۳۰

[2] حضرت شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، باب الایمان، بیان العبادۃ حق اللہ

[3] سورہ ہود آیت نمبر ۱۷ [4] محمد عبدہٗ تفسیر المنار، ج ۱۲، سورۂ ہود

نورِ فطرت کی طرف اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے:

کل مولود یولد علی الفطرۃ	ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس
فابواہ یہودانہ او ینصرانہ	کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی
او یمجسانہ[1]	بنا ڈالتے ہیں۔

پھر ایک مثال کے ذریعہ آپؐ نے وضاحت فرمائی:

کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ جمعاء	جیسا کہ بکری کا بچہ صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے
ھل تحسون فیھا من جدعاء[2]	اس میں کن کٹے کا عیب نہیں پایا جاتا۔

ایک جنگ میں مسلمانوں نے دشمنوں کے بچوں کو بھی قتل کر دیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے سخت ناراض ہو کر فرمایا:

ما بال اقوام جاوزھم القتل	لوگوں کو کیا ہو گیا کہ آج وہ حد سے
الیوم حتی قتلو الذریۃ	گذر گئے اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا یہ مشرکین کے بچے نہ تھے؟ آپؐ نے فرمایا:

انما خیارکم ابناء المشرکین	تمہارے بہترین لوگ مشرکین ہی کی تو
	اولاد ہیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

کل نسمۃ تولد علی الفطرۃ حتی	ہر جان فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ یہاں
یعرب عنھا لسانھا فابواھا یہودانھا	تک کہ جب اس کی زبان کھلنے لگتی ہے
او ینصرانھا[3]	تو ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی
	بنا ڈالتے ہیں۔

ابن اثیر نے بچہ کے فطرت پر پیدا ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے
بچہ جبلت وطبیعت کی ایسی ہیئت پر پیدا کیا جاتا ہے کہ قبول دین کے لئے آمادہ ہوتی ہے اگر اس ہیئت پر چھوڑ دیا جائے تو یہ ہیئت برقرار رہے گی[4]

(جاری ہے)

---

[1] بخاری ومسلم ومشکوۃ کتاب القدر۔ [2] ایضاً [3] مسند احمد بن حنبل ونسائی
[4] ابن اثیر، النہایہ فی غریب حدیث

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام (۵)

مزارعت اور مرفوع احادیث

از قلم: مولانا محمد طاسین

مزارعت، مخابرت، محاقلت اور کراء الارض سے متعلق مختلف صحابۂ کرامؓ سے جو مرفوع احادیث مروی ہیں ذیل میں ہر صحابیؓ کی احادیث الگ الگ نقل کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے جابرؓ بن عبداللہ سے مروی احادیث ملاحظہ فرمائیے!

(۱) عن عطاءؒ عن جابرؓ قال کانوا یزرعونھا بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعھا اولیمنحھا فان لم یفعل فلیمسک ارضہ (ص ۳۱۵۔ج ۱۔صحیح البخاری)

حضرت عطاءؒ سے روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ لوگ تہائی، چوتھائی اور نصف پیداوار پر زمین کاشت کرتے کراتے تھے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا پھر دوسرے کو کاشت کے لئے مفت بلا معاوضہ دے دے اور اگر نہیں کرتا تو اپنی زمین کو یونہی اپنے پاس روک رکھے۔

عن عطاءؒ عن جابرؓ قال کانت لرجال منا فضول ارضین فقالوا انؤاجرھا بالثلث والربع والنصف فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعھا

حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم میں سے کچھ اشخاص کے پاس فاضل زمینیں تھیں، انھوں نے پوچھا کہ کیا ہم ان کو تہائی، چوتھائی اور نصف پیداوار پر کاشت کیلئے

او یمنحہا اخاہ، فان ابٰی فلیمسک ارضہ
(ص ٣٥٥ ج ١ صحیح البخاری)
(ص ١١ ج ٢ صحیح المسلم)

دے سکتے ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو جس کی زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو بلا معاوضہ کاشت کے لئے دے دے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو اپنی زمین کو بلا کاشت روک رکھے۔

(٣) عن عطاءؒ عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم من کانت لہ ارض فلیزرعہا، فان لم یستطع ان یزرعہا و عجز عنہا فلیمنحہا اخاہ المسلم ولا یؤاجرہا ایاہ
(ص ١١ ج ٢ صحیح المسلم)

حضرت عطاءؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے، پس اگر وہ خود کاشت کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اس سے عاجز ہو تو اپنے مسلمان بھائی کو مفت کاشت کے لئے دیدے اور اسے اجارے پہ نہ دے۔

(٤) عن سعید بن میناء قال سمعت جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قال: من کان لہ فضل ارض فلیزرعہا او لیزرعہا اخاہ، ولا تبیعوہا نقلت لسعید ما قولہ لا تبیعوہا یعنی الکراء قال نعم
(ص ١١ ج ٢ صحیح المسلم)

حضرت سعید بن میناء نے روایت کرتے ہوئے کہا: میں نے حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس فاضل زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کے لئے دیدے، اور اسے بیچو نہیں۔ میں نے حضرت سعید سے پوچھا کہ لا تبیعوھا سے مراد کرائے پر دینا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہاں"

٥ عن ابی الزبیر عن جابرؓ قال لما نزلت اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ

حضرت ابو الزبیر نے روایت کیا کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ جب تحریم ربٰو سے متعلق سورہ بقرہ کی یہ آیات نازل

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ الآية
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
مَن لم يذر المخابرة فليؤذن
بحرب من الله ورسوله
(ص ٢٨٦ - ج ٢ - المستدرک للحاکم)

ہوئیں جو اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا سے شروع ہوتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مخابرہ و مزارعت کو نہ چھوڑے اسے آگاہ ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ میں مصروف ہے

(٦) عن ابی الزبیر عن جابر قال کنا نخابر علی
عہد رسول الله صلی الله علیه وسلم
فنصیب من القصری ومن کذا و
من کذا فقال رسول الله صلی الله
علیه وسلم من کانت له ارض فلیزرعها
او لیحرثها اخاه والا فلیدعها.
(ص ١١ - ج ٢ - صحیح المسلم)

حضرت ابو الزبیر سے مروی ہے کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مخابرے پر زمین لیا دیا کرتے تھے اور کچھ گنڈیوں میں سے اور کچھ اس سے اور کچھ اس سے بھی پاتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو یونہی کاشت کے لئے دے دے ورنہ چھوڑ دے

(٧) عن ابی الزبیر عن جابرؓ بن عبد الله
يقول كنا في زمان رسول الله
صلی الله علیه وسلم نأخذ الارض
بالثلث او الربع بالماذیانات، فقام
رسول الله صلی الله علیه وسلم فی
ذلك فقال من كانت له ارض فليزرعها
فان لم يزرعها فليمنحها اخاه فان لم
يمنحها اخاه فليمسكها.
(ص ١١ - ج ٢ - صحیح المسلم)

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے حضرت ابو الزبیر کی روایت ہے کہ ہم زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زمین لیتے دیتے تھے تہائی یا چوتھائی پیداوار کے عوض پانی کی نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے ساتھ ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور اس بارے میں فرمایا: جس کے پاس زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے، اگر خود کاشت نہیں کر سکتا تو پھر اپنے بھائی کو یونہی مفت کاشت کے لئے دے دے اور اگر اپنے بھائی کو اس طرح نہیں دیتا تو اسے روک رکھے ۔

(٨) عن نعمان بن عیاش عن جابرؓ بن عبد الله

حضرت نعمان بن عیاش نے حضرت جابرؓ

انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نہٰی عن کراء الارض (ص ۱۲ ۔ ج ۲ ۔ صحیح المسلم)	بن عبد اللہ سے روایت کیا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراء الارض سے منع فرمایا۔
(۹) عن عمرو بن دینار عن جابرؓ بن عبد اللّٰہ ان النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نہٰی عن المخابرہ (ص ۱۱ ۔ ج ۲ ۔ صحیح المسلم)	حضرت عمرو بن دینار نے حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ (مزارعہ) سے روکا اور منع فرمایا۔
(۱۰) عن یزید بن نعیم ان جابرؓ بن عبد اللّٰہ اخبرہ انہ سمع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ینہٰی عن المزابنۃ والحقول فقال جابرؓ المزابنۃ التمر بالتمر والحقول کراء الارض (ص ۱۲ ۔ ج ۲ ۔ صحیح المسلم)	حضرت یزید بن نعیم سے مروی ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ نے اسے بتلایا کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے مزابنہ اور حقول سے منع فرمایا، پھر حضرت جابرؓ نے وضاحت فرمائی کہ مزابنہ کا مطلب ہے درخت پر لگی کھجوروں کو چھوہاروں

کے عوض بیچنا اور حقول کا مطلب ہے کراء الارض۔

(۱۱) عن ابی الزبیر انہ سمع جابرا یقول کنا نخابر قبل ان ینہانا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عن الخبر لسنتین او ثلث علی الثلث و الشطر وشیئ من التبن، فقال لنا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم من کانت لہ ارض فلیحرثہا فان کرہ ان یحرثہا فلیمنحہا اخاہ فان کرہ ان یمنحہا اخاہ فلیدعہا (ص ۲۴۹ ۔ سنن دارمی)	حضرت ابو الزبیر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابرؓ سے یہ کہتے سنا کہ ہم مخابرہ کرتے تھے قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مخابرے سے جو دو سال یا تین سال کا ہوتا تھا تہائی اور نصف پیداوار اور کچھ بھوسے پر، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس زمین ہو چاہیئے کہ وہ خود کاشت کرے، اگر اسے خود کاشت کرنا گوارا نہ ہو تو پھر اپنے بھائی

کو مفت کاشت کے لئے دیدے اور اگر اسے اپنے بھائی کو مفت دینا گوارا نہ ہو تو پھر اس زمین کو یونہی چھوڑ دے۔

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ جو گیارہ احادیث نقل کی گئی ہیں یہ ان کے چھ شاگردوں نے ان سے روایت کی ہیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت ابوالزبیر المکّی، حضرت عمرو بن دینار، حضرت سعید بن میناء، حضرت نعمان بن عیاش اور حضرت یزید بن نعیم

مذکورہ احادیث پر تبصرہ

پہلی تین حدیثیں جن کے راوی حضرت عطاء ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کے لحاظ سے جو ان میں بیان ہوئے تقریباً ایک ہیں تینوں کا مطلب یہ ہے کہ جس کی ملکیت میں زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے اگر کسی وجہ سے کاشت نہ کر سکتا ہو تو پھر اپنے کسی مسلمان بھائی کو منحہ کے طور پر مفت کاشت کے لئے دے دے، اور اگر ایسا کرنے کے لئے بھی تیار نہ ہو تو پھر اس زمین کو بلا کاشت اپنے پاس روک رکھے۔ کسی اجرت و معاوضے پر دوسرے کو نہ دے۔ البتہ پہلی حدیث اور دوسری حدیث کے شروع میں حضرت جابرؓ کے جو الفاظ ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، پہلی حدیث میں الفاظ یہ ہیں "کانوا یزرعونھا بالثلث والربع والنصف" (لوگ زمینوں کو کاشت کے لئے دیتے لیتے تھے تہائی، چوتھائی اور نصف پیداوار پر) اور دوسری حدیث میں شروع کے الفاظ ہیں "کانت لرجال منا فضول ارضین فقالوا أنؤاجرھا بالثلث والربع والنصف" (ہم میں سے کچھ لوگوں کے پاس فاضل زمینیں تھیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ہم ان کو تہائی، چوتھائی اور نصف پیداوار کے عوض اجارے پر دے سکتے ہیں) لہٰذا اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ ہیں آپؐ نے دو مرتبہ دو مختلف موقعوں پر ارشاد فرمائے ہوں: ایک عام مروّجہ صورت حال کے پیش نظر اور دوسرے اس وقت جب اس قانونی اعلان سے متاثر ہو کر کچھ لوگوں نے دریافت کیا اور دوسرا مطلب یہ کہ ممکن ہے کہ حضرت جابرؓ کے الفاظ ایک ہی ہوں اور انہوں نے تفصیل کے ساتھ ایک ہی بات فرمائی ہو۔ لیکن نیچے کے راویوں نے اس کا مطلب مختلف

الفاظ سے بیان کر دیا ہو۔ کیونکہ ایسا عام طور پر ہوتا ہے کہ ایک ہی روایت کو متعدد راوی مختلف الفاظ سے بیان کر دیتے ہیں۔ تیسری حدیث کے آخر میں یہ جو الفاظ ہیں کہ لایؤاجرھا ایاہ وہ اس مطلب کی توضیح و تفصیل ہیں جو پہلی دو احادیث کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے یعنی جب مالک زمین کے لئے حصے کے ساتھ تین باتیں فرما دی گئیں کہ وہ خود کاشت کرے اگر ایسا نہیں کرتا تو دوسرے کو بلا معاوضہ کاشت کے لئے دے دے اور اگر ایسا بھی نہیں کرتا تو بلا کاشت اپنے پاس روک رکھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے باقی ہر صورت کی نفی مفہوم ہوتی ہے۔ خصوصاً اجارے پر دینے کی خواہ وہ پیداوار کے ایک حصے کے عوض میں ہو یا کسی دوسری چیز کے عوض میں۔ لہٰذا تیسری حدیث کے آخری الفاظ میں اس اجمال کی تفصیل ہے جس کی وجہ سے اُسے الگ بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال ان تینوں احادیث سے مزارعت کا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چوتھی حدیث جس کے راوی حضرت سعید بن میناء ہیں اس میں بھی تقریباً وہی قانونی ضابطہ بیان ہوا ہے جو اس سے پہلے حضرت عطاء کی روایت کردہ تین حدیثوں میں بیان ہوا ہے صرف الفاظ کا معمولی سا اختلاف ہے اور یہ بھی مزارعت کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے۔ انہی کی ایک اور حدیث جو شرح معانی الآثار للطحاوی میں ہے اس کا ترجمہ ہے " حضرت جابرؓ نے کہا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ سے منع فرمایا ہے"

پانچویں، چھٹی اور ساتویں حدیث جن کے راوی حضرت جابرؓ سے حضرت ابوالزبیر المکی ہیں ان میں سے پہلی حدیث مخابرہ کو ربوٰ جیسا حرام معاملہ قرار دے رہی ہے اور اس سے سختی کے ساتھ روک رہی ہے۔ چھٹی اور ساتویں حدیث میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جو مبارک الفاظ ہیں وہ مطلب و مفہوم کے لحاظ سے ایک ہیں اور وہی ہیں جو پیچھے حضرت عطاء والی حدیث میں تھے۔ البتہ اپنے تمہیدی الفاظ کے لحاظ سے جو حضرت جابرؓ کے الفاظ ہیں ان کے درمیان کچھ اختلاف ہے اور اس اختلاف کا تعلق مزارعت کی ان مختلف شکلوں سے ہے جو مدینہ طیبہ میں اسلام سے پہلے عملاً رائج چلی آ رہی تھیں، مثلاً حدیث نمبر ۵ میں مزارعت کی اس خاص

شکل کا ذکر ہے جس میں زمین کا مالک غلّے کے ایک حصّے کے ساتھ ساتھ گھنڈیاں بھی اپنے لئے مخصوص کر لیتا تھا اور حدیث نمبر سات میں اس شکل کا ذکر ہے جب مالک، غلہ کے تہائی یا چوتھائی حصہ کے ساتھ ساتھ پانی کی نالیوں کے کنارے کی فصل بھی اپنے حق میں محفوظ کر لیتا تھا جو عموماً اچھی ہوا کرتی تھی، چنانچہ جب یہ دو شکلیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے آئیں تو آپؐ نے ان کے متعلق جائز و ناجائز کا جزوی حکم بیان فرمانے کی بجائے ایک قانونی ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بیان فرمایا جس سے مالک زمین کے لئے سوائے تین شکلوں کے باقی ہر شکل ممنوع و ناجائز قرار پاتی ہے وہ شکلیں بھی جو ان دو حدیثوں میں بیان ہوئی ہیں اور وہ سب شکلیں بھی جو دوسری احادیث میں مذکور ہیں۔

حدیث نمبر آٹھ جس کے راوی حضرت جابرؓ سے حضرت نعمان بن عیاش ہیں، اس میں حضرت جابرؓ نے صرف یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کراء الارض سے روکا اور منع فرمایا ہے۔ کراء الارض کے تحت مزارعت کی تمام شکلیں آجاتی ہیں خواہ وہ پیداوار زمین کے کسی نسبتی حصہ پر طے پائی ہوں یا نقد وغیرہ کی کسی مقدار پر، غور کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ حضرت جابرؓ سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کراء الارض کے بارے میں کیا فرمایا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ منع فرمایا ہے، اس میں حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ بیان نہیں فرمائے جن کے ذریعے آپؐ نے کراء الارض سے منع فرمایا ہے اور وہ الفاظ یقیناً وہی ہو سکتے ہیں جو حضرت جابرؓ کی روایت کردہ دوسری احادیث میں مذکور ہیں یعنی من کانت له ارض فليزرعها او ليمنحها اخاه فان لم يفعل فليمسك ارضه

حدیث نمبر ۹ جس کے راوی حضرت جابرؓ سے حضرت عمرو بن دینار ہیں اس میں بھی گویا سوال کے جواب میں اختصار کے ساتھ حضرت جابرؓ نے صرف اتنا بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مخابرہ سے روکا اور منع فرمایا۔ جن الفاظ کے ساتھ روکا اور منع فرمایا ہے ان کا ذکر نہیں، اور وہ وہی ہیں جو حضرت جابرؓ نے دوسری احادیث میں بیان فرمائے ہیں۔

حدیث نمبر دس جس کے راوی یزید بن نعیم ہیں اس میں بھی حضرت جابرؓ نے اختصار کے ساتھ صرف اتنا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقول سے منع فرمایا ہے اور حقول کا مطلب کراء الارض بتلایا۔

حدیث نمبر گیارہ کے راوی بھی حضرت ابو الزبیر ہیں۔ اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً وہی کلمات ہیں جو حدیث نمبر چھ اور سات میں ہیں اور قانونی ضابطے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں نے اس کے باوجود اس حدیث کو اس لئے نقل کیا ہے کہ اس کے شروع میں مزارعت کی ایک اور شکل کا ذکر ہے جس میں مالک اور مزارع کے مابین دو یا تین سال کا معاملہ طے ہوتا تھا۔ تہائی اور نصف پیداوار اور کچھ بھوسے کے عوض، ظاہر ہے کہ یہ شکل بھی اس قانونی ضابطے کی رو سے ناجائز قرار پاتی ہے جو ایک مالک زمین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

بہرحال حضرت جابرؓ سے مروی یہ سب احادیث اس پر متفق ہیں کہ مزارعت و مخابرت اور کراء الارض کی کوئی شکل بھی جائز اور مشروع نہیں، اب ایک دوسرے صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی احادیث ملاحظہ فرمائیے جو زراعت پیشہ انصار مدینہ میں سے ہیں۔

احادیث زید بن ثابت رضؓ

(۱) عن زید بن ثابت قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ، قلت ما المخابرۃ؟ قال ان تاخذ الارض بنصف او ثلث او ربع۔
(ص ۱۲۷۔ ج ۲۔ سنن ابی داؤد)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا، میں نے پوچھا مخابرہ کیا ہے؟ تو حضرت زیدؓ نے جواب دیا تیرا زمین کو کاشت کے لئے نصف یا تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لینا۔

(۲) عن ابن عمرؓ عن زیدؓ بن ثابت قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

حضرت عبد اللہ بن عمر نے حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت کیا کہ رسول اللہ

وسلم عن المحاقلة والمزابنة
(ص ۲۶۰ ۔ ج ۲
شرح معانی الآثار للطحاوی)

صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ
سے منع فرمایا۔

(۳) عن زید بن ثابت انہ قال یغفر اللہ
لرافع بن خدیج انا واللہ کنت
اعلم بالحدیث منہ، انما جاء
رجلان من الانصار الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وقد اقتتلا
فقال ان کان ھذا شانکم
فلا تکروا المزارع فسمع قولہ لاتکروا
المزارع۔
(ص ۱۲۵ ۔ ج ۲ ۔ سنن ابی داؤد،
ص ۱۲۸ ۔ ج ۲ ۔ سنن نسائی)

حضرت زیدؓ بن ثابت نے کہا اللہ رافع
بن خدیج کے لئے مغفرت فرمائے۔ میں
واللہ اس حدیث کو ان سے بہتر جانتا
ہوں، دراصل انصار کے دو شخص جن
کے درمیان کچھ پہلے جھگڑا ہو چکا تھا،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
محاکمے اور تصفئے کے لئے آئے۔ آپؐ
نے ماجرا سُن کر فرمایا اگر تمہارا یہ حال ہے
تو کھیتوں کو کرائے پر مت دو۔ حضرت
رافع نے صرف آخری جملہ فلا تکروا المزارع
ہی سُنا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ان تین احادیث میں سے پہلی دو حدیثوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مخابرہ اور محاقلہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے لہٰذا دونوں ممنوع و ناجائز ہیں۔ مخابرہ کی حضرت زیدؓ نے خود جو توضیح فرمائی ہے یعنی زمین کاشت کے لئے نصف، تہائی اور چوتھائی پیداوار پر لینا، اس کے مطابق مخابرہ عین مزارعت ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں محاقلہ کے معنی بھی المزارعۃ بالثلث والربع کئے گئے ہیں۔ لیکن دونوں حدیثوں میں نہی کے ان الفاظ کا ذکر نہیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ الفاظ وہی ہوں جن کا حضرت زیدؓ نے تیسری حدیث میں ذکر کیا ہے۔ یعنی "فلا تکروا المزارع" یا وہ ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں ارشاد فرمائے، یعنی جس کی زمین ہو وہ خود اُسے کاشت کرے۔ اگر خود کاشت نہیں کر سکتا تو اپنے مسلمان بھائی کو مفت بلا معاوضہ

کاشت کے لئے دے دے ورنہ روک رکھے ۔
تیسری حدیث میں جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ "فلا تکروا المزارع" کا تعلق ہے اس میں بھی کراء الارض کی صراحتہً ممانعت ہے جو مزارعت کا دوسرا نام ہے۔ البتہ اس میں حضرت رافع بن خدیج کے متعلق حضرت زیدؓ بن ثابت کے جو الفاظ ہیں، ان سے ایک غلط فہمی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ان کی کچھ وضاحت ضروری ہے، غلط فہمی یہ کہ چونکہ حضرت رافع بن خدیج کراء الارض کی سب شکلوں کو ناجائز اور اس معاملے کو سرے سے ممنوع سمجھتے اور کہتے تھے لہٰذا ان کا زیدؓ بن ثابت سے اختلاف کرنا اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی و ممانعت کا تعلق کراء الارض کی ایسی شکل سے ہے جو نزاع و جھگڑے کا باعث بنی تھی، اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت اس معاملے کو سرے سے ناجائز نہیں بلکہ صرف اس کی ان شکلوں کو ناجائز سمجھتے تھے جو مالک اور مزارع کے درمیان نزاع و جھگڑے کا موجب بنتی ہیں لیکن یہ درست نہیں کیونکہ حضرت زیدؓ بن ثابت کی دوسری احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مطلقاً اور علی العموم اس معاملے کو ممنوع و ناجائز سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک زمین کو پیداوار کے نصف، تہائی اور چوتھائی پر لینا دینا مخابرہ اور ممنوع تھا۔ حالانکہ کراء الارض کی یہ شکل کبھی باعث نزاع و جھگڑا نہیں بنتی، اسی طرح حدیث مذکور سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کراء الارض کی نزاعی شکلیں تو ناجائز ہیں باقی غیر نزاعی سب جائز ہیں یعنی فی نفسہ یہ معاملہ جائز ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو شخصوں کے درمیان جو باہمی نزاع کے بعد آپ کی خدمت میں تصفیے اور عدالتی فیصلہ کے لئے حاضر ہوئے تھے صرف تصفیے اور منصفانہ فیصلے پر اکتفاء فرماتے اور یہ امتناعی حکم نہ دیتے کہ کھیتوں کو کرائے پر دینا بند کردو۔ یعنی یہ نہ فرماتے کہ "فلا تکروا المزارع" جو مطلق کراء الارض کے عدم جواز پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کلام شارع میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے ۔ خصوص مورد کا اعتبار نہیں ہوتا

علاوہ ازیں اس حدیث میں حضرت زیدؓ کا حضرت رافع پر جو اعتراض ہے

وہ صرف اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب حضرت رافع بن خدیجؓ محض اس حدیث کی بنا پر کراء الارض کی ہر شکل کے عدم جواز کے قائل ہوتے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ متعدد احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محض اس حدیث کی وجہ سے جس کا زید بن ثابت نے حوالہ دیا ہے کراء الارض کو ممنوع نہ کہتے تھے بلکہ کئی دوسری احادیث بھی اس کا موجب اور سبب تھیں مثلاً ایک وہ حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب خود حضرت رافعؓ اپنی کھیتی کو پانی دے رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا اور آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کھیتی کس کی ہے اور زمین کس کی۔ انہوں نے جب یہ بتلایا کہ کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے اور زمین بنی فلاں کی ہے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا تم ربو میں مبتلا ہو۔ اس معاملے کو فوراً ختم کرو کھیتی کے ساتھ زمین اس کے مالکان کو دے دو اور اپنا خرچہ لے لو۔ دوسری وہ حدیث جو حضرت رافعؓ نے اپنے دو چچوں سے سنی تھی یعنی حضرت اُسید اور حضرت ظہیر سے، جو صحاح ستہ میں ہے، اسی طرح تیسری وہ حدیث بھی یقیناً ہو سکتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ اہتمام کے ساتھ مجمع عام کے سامنے خطبہ میں ارشاد فرمائی۔ حضرت رافع بن خدیج اس سے کیسے بے خبر رہ سکتے تھے، بہر حال حضرت زیدؓ بن ثابت کی اس تیسری حدیث میں حضرت رافع بن خدیج پر جو اعتراض ہے نہایت کمزور سا اور ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس کا انتساب حضرت زیدؓ بن ثابت جیسے فقیہہ کی طرف مشکوک نظر آتا ہے۔

احادیث حضرت ابی هریرة رضؓ

(۱) عن ابی سلمۃ عن ابی هریرۃ رضؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من كانت له ارض فليزرعها اوليمنحها اخاه فان ابى فليمسك ارضه (ص ۳۱۵ ج ۱ صحیح البخاری)	حضرت ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی ملک میں زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو مفت کاشت کیلئے دے دے اور اگر ایسا بھی نہیں کرتا تو

اپنی زمین کو روک رکھے۔

(۲) عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عن المحاقلۃ والمزابنۃ۔
(ص ۱۱۔ ج ۲ صحیح المسلم)

حضرت ابوصالح سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ان دو حدیثوں میں پہلی حدیث بعینہٖ وہی ہے جو متعدد دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے جو مزارعت کے بارے میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے اور جو دراصل ایک جامع مانع قانونی ضابطہ ہے۔ نیز جو مسلمہ طور پر ایک صحیح حدیث ہے اور دوسری حدیث بھی وہی ہے جو دوسرے کئی صحابہ کرام نے بھی روایت فرمائی ہے اور پھر جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نہی کا تو ذکر ہے لیکن ان الفاظ مبارکہ کا ذکر نہیں جن کے ذریعے آپ نے نہی فرمائی۔ وہ الفاظ کچھ بھی ہوں یقینا ایسے ہوں گے جن سے نہی کا قطعی ثبوت فراہم ہوتا ہو۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ کی حدیث

عن داؤد بن الحصین ان اباسفیانؓ اخبرہ انہ سمع اباسعید الخدری یقول: نہی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم عن المزابنۃ والمحاقلۃ، و قال: المزابنۃ اشتراء الثمر فی رؤوس النخل، والمحاقلۃ کراء الارض
(ص ۱۲ ج ۲ صحیح المسلم)

حضرت داؤد بن الحصین سے روایت ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ نے اس کو بتلایا کہ اس نے حضرت ابوسعید خدریؓ یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مزابنۃ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ نام ہے درخت پہ لگے پھل کو خریدنا یعنی خشک پھل کے عوض اور محاقلۃ کا مطلب ہے کراء الارض

محاقلہ، حقل، حقول اس معاملہ کے نام ہیں جو کھیت کے مالک اور کھیتی اگانے والے کاشتکار کے مابین پیداوار کی تقسیم وغیرہ پر طے پاتا ہے۔ اسی کا

دوسرا نام مزارعت ہے۔ لہٰذا محاقلہ کی ممانعت مزارعت کی ممانعت ہے۔

حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ

عن انس بن مالک قال نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن المحاقلة والمخاضرة والملامسة والمنابذة والمزابنة۔ (ص ۲۹۳ ۔ ج ۱، صحیح البخاری)	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مخاضرہ، ملامسہ، منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔

اس حدیث میں بھی اگر محاقلہ، مزارعہ کے معنیٰ میں ہے تو اس سے بھی مزارعت کی صاف ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ باقی جن الفاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی ہے ہوسکتا ہے وہ وہی ہوں جن کا دوسری کئی احادیث میں ذکر ہے۔

حضرت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ کی حدیث

عن عبد الله بن السائب قال سألت عبد الله بن معقل عن المزارعة فقال اخبرني ثابت بن الضحاك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزارعة (ص ۱۱ ۔ ج ۲ ۔ صحیح المسلم)	حضرت عبداللہ بن سائب نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن معقل سے مزارعت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے حضرت ثابت بن ضحاک نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا۔

حضرت ثابت بن ضحاک کی اس حدیث سے بھی مزارعت کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں سوال بھی مطلق مزارعت کے متعلق ہے اور جواب بھی مطلق اور عام مزارعت سے متعلق، لہٰذا کسی تاویل کی گنجائش نہیں اور بالکل واضح اور محکم حدیث ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی احادیث۔!!

(۱) عن عبد الله بن عمر عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج فی مسیر له فاذا هو بزرع یهتز فقال لمن هذا الزرع؟ قالوا لرافع بن خدیج فارسل الیه وکان قد اخذ الارض بالنصف او بالثلث، فقال انظر نفقتک فی هذه الارض فخذها من صاحب الارض وادفع الیه ارضه وزرعه
(ص ۳۰۴ ـ ج ۲ دارقطنی)

حضرت عبدؓ اللہ بن عمرؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک راستے سے گزرے کہ اچانک آپؐ کی نگاہ ایک لہلہاتی کھیتی پر پڑی آپؐ نے پوچھا یہ کھیتی کس کی ہے؟ ساتھ جو صحابہؓ تھے انہوں نے بتلایا کہ رافع بن خدیج کی۔ آپؐ نے انہیں بلوایا ان کے بتلانے پر معلوم ہوا کہ انہوں نے وہ زمین نصف یا تہائی پر لی ہے تو آپؐ نے فرمایا دیکھو تمہارا جو خرچہ اس زمین میں ہوا ہے مالک زمین سے لے لو اور زمین بمعہ کھیتی کے اس کے حوالے کردو۔

(۲) عن عائشة رضی الله عنها قالت کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم قوما عمال انفسهم کانوا یعالجون اراضیهم بایدیهم
(ص ۱۲۷ ـ ج ۴ ـ السنن الکبری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کرام خود کام کرنے والے لوگ تھے۔ وہ اپنی زمینوں میں خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے یعنی ان کو خود کاشت کرتے تھے۔ دوسروں سے نہیں کراتے تھے۔

حدیث نمبر ایک سنن ابی داؤد اور شرح معانی الآثار میں ایک دوسری سند سے نقل کی گئی ہے۔ دونوں کے درمیان جو اختلاف ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہ کھیتی دیکھی تو وہاں حضرت رافع بن خدیج موجود نہ تھے۔ لوگوں کے بتلانے پر جب معلوم ہوا کہ کھیتی رافع کی ہے تو آپؐ نے آدمی بھیج کر

ان کو بلوایا اور معاملے کو ختم کرنے کا حکم فرمایا اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں ابن ابی نعم کی خود حضرت رافع بن خدیج سے روائت کردہ جو حدیث ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جب وہ کھیتی دیکھی تو رافع بن خدیج کھیتی کو پانی دے رہے تھے اور خود ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا زمین کس کی ہے اور کھیتی کس کی، جب حقیقت معلوم ہوئی تو آپؐ نے معاملہ فسخ کرنے کا حکم فرمایا، اس میں اختلاف کی توجیہہ یہ ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کھیتی کو دیکھا تو آپؐ کے ساتھ جو لوگ تھے ان سے پوچھا اس وقت حضرت رافع بن خدیج کچھ دور کھیتی کو پانی دے رہے تھے تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو بھیج کر انہیں بلوایا اور پھر ان سے معاملے کی نوعیت دریافت فرمائی۔ نوعیت معلوم ہو جانے پر جو فرمایا وہ دونوں حدیثوں میں یکساں اور مشترک ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث

عن علیؓ ابن ابی طالب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن قبالۃ الارض بالثلث والربع وقال اذا کان لاحدکم ارض فلیزرعھا اولیمنحھا اخاہ (ص ۲۸۳ - المسند لزید)	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا زمین کو تہائی اور چوتھائی پر دینے کی ضمانت و ذمہ داری سے اور فرمایا جب تم میں سے کسی کی زمین ہو تو وہ اسے خود کاشت کرے یا پھر اپنے بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے۔

حضرت علیؓ کی اس حدیث کے پہلے حصہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار پر دینے سے یعنی معاملہ مزارعت سے منع فرمایا۔ اور دوسرے حصہ میں واضح بیان ہے کہ مالک زمین اپنی زمین کو خود کاشت کرے یا پھر دوسرے کو مفت کاشت کے لئے دے دے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی احادیث

(۱) عن سعد بن ابی وقاص قال کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی الساقی وبما یسقی بالماء مما حول البئر فنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک وقال اکروھا بالذھب والورق

(ص ۲۵۹۔ج ۲۔شرح معانی الآثار)

حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ لوگ اپنے کھیت اس پیداوار کے عوض دوسروں کو دیتے تھے جو نالیوں کے کنارے اور کنوئیں کے اردگرد پانی بہنے کی جگہ اُگتی تھی۔پس منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اور فرمایا سونے چاندی کے عوض کرائے پر دو۔

(۲) عن سعید بن المسیب عن سعد بن ابی وقاص قال کان اصحاب المزارع یکرون فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزارعھم بما یکون علی الساقی من الزرع فجاءوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاختصموا فی بعض ذلک، فنھاھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکروا بذلک وقال اکروا بالذھب والفضۃ

(ص ۱۴۴۔ج ۲۔سنن النسائی)

حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان سے روائت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھیتوں والے اپنے کھیت کرائے پر دیتے تھے بعوض اس کھیتی کے جو پانی کی نالیوں کے کنارے پر اگتی تھی۔پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بوجہ اس جھگڑے کے جو ان کے درمیان اس معاملے میں ہوا تھا۔ سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس معاملے سے روک دیا اور فرمایا کہ سونے چاندی کے عوض کرائے پر دو۔

(۳) عن سعید بن المسیب عن سعد بن ابی وقاص قال کنا نکری الارض بما علی السواقی من الزرع

حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان سے کہا کہ ہم زمین کو کرائے پر دیا کرتے

وما سعد بالماء منها، فنهانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك وامرنا ان نكريها بذهب او فضة	تھے اس کھیتی کے عوض جو نالیوں کے کنارے سے ادھر ادھر بہہ جانیوالے پانی سے اگتی تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے روکا اور حکم فرمایا کہ ہم زمینوں کو سونے چاندی کے عوض کرائے پر دیں۔
(ص ۱۲۵ - ج ۲ سنن ابی داؤد)	

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ احادیث جن کے راوی حضرت سعید بن مسیّب ہیں اختلاف الفاظ کی وجہ سے بظاہر تین احادیث معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ ایک ہی حدیث ہے۔ راویوں کے بیان میں اختلاف سے اس میں اجمال وتفصیل کا اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ ہو سکتا ہے حضرت سعید بن مسیّب نے یا نیچے کے راویوں نے اس کو کبھی اجمال و اختصار کے ساتھ اور کبھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہو، بہرحال ان تینوں میں ایک مشترک بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں مزارعت کی ایک ایسی شکل بھی رائج تھی جس میں مالک زمین پیداوار کے ایک نسبتی حصہ کی بجائے زمین کے ایک حصہ کی پیداوار مخصوص کر لیتا تھا جس میں نسبتاً بہتر اور زیادہ پیداوار ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور فرمایا سونے چاندی یعنی نقد کے عوض زمینیں کرائے پر دو۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ بعض حضرات نے مفہوم مخالف کے طور پر اس قسم کی روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مطلق مزارعت اور پیداوار زمین کے ایک نسبتی حصہ پر مزارعت جائز ہے۔ حالانکہ ان حضرات نے یہ غور نہیں فرمایا کہ جو لوگ مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی اس کی صحت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی نص کے مفہوم مخالف سے استدلال کے لئے ضروری ہے کہ دوسری نصوص سے اس کی نفی نہ ہوتی ہو اور یہ شرط یہاں نہیں پائی جاتی، مطلب یہ کہ اس قسم کی احادیث سے جن میں مزارعت کی ایک خاص شکل کی ممانعت ہے مزارعت کی دوسری

شکلوں کا جواز اس لئے ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ اسی درجہ کی دوسری احادیث میں مزارعت کی تمام شکلوں کی ممانعت موجود ہے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو حضرت سعد بن ابی وقاص کی اسی حدیث کے آخر میں جو الفاظ ہیں وہ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ صرف سونے چاندی کے عوض ہی زمین کو اجارے پر دینا جائز ہے باقی کوئی شکل جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص سے اس حدیث کے واحد راوی حضرت سعید بن مسیب مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے اس کا اظہار ایک تو سنن النسائی وغیرہ کی اس روائت سے ہوتا ہے:

عن طارق قال سمعت سعید بن المسیب یقول لا یصلح الزرع غیر ثلث: ارض یملك رقبتها او منحة او ارض بیضاء یستاجرها بذهب او فضة۔

(ص ۱۴۲ ج ۲ سنن النسائی)

حضرت طارق سے روائت ہے کہ میں نے حضرت سعید بن المسیب کو یہ کہتے سنا کہ زمین سے فائدہ اٹھانا سوائے تین صورتوں کے درست نہیں۔ زمین اس کی اپنی ملکیت میں ہو یا اسے منحہ کے طور پر مفت کاشت کے لئے دی گئی ہو یا وہ سفید و خالی زمین اس نے سونے چاندی کے عوض اجارہ پر لی ہو۔

اور دوسرے امام طحاویؒ کے بیان کردہ اس اثر سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت حماد ہیں:

عن حماد انه قال سألت سعید بن المسیب وسعید بن جبیر و سالم بن عبد الله ومجاهدا عن کراء الارض بالثلث والربع فکرهوه

(ص ۲۶۲ ج ۲ شرح معانی الآثار)

حضرت حماد نے بیان کیا کہ میں نے سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، سالم بن عبداللہ اور مجاہد سے تہائی و چوتھائی پیداوار پر کراء الارض کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اسے مکروہ و حرام بتلایا۔ یعنی ناجائز وممنوع۔

حضرت مسورؓ بن مخرمہ کی حدیث

عن المسورؓ بن مخرمة قال مرّ رسول اللهﷺ

حضرت مسورؓ بن مخرمہ نے روائت

صلّی اللہ علیہ وسلّم بارض لعبد الرحمٰن بن عوف فیھا زرع فقال یا عبد الرحمٰن لا تاکل الربٰو ولا تطعمہ ، ولا تزرع الا فی ارض ترثھا او تورثھا او تمنحھا (ص ۱۲۰ ۔ ج ۴ ۔ مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی)	کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک زمین کے پاس سے گزرے جس میں عبد الرحمٰن بن عوف کی کھیتی تھی آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا اے عبد الرحمٰن نہ خود سود کھاؤ اور نہ دوسرے کو کھلاؤ اور کاشت نہ کرو مگر ایسی زمین میں جس کے تم وارث بنے یا فرمایا بنا دیئے

گئے ہو یعنی مالک ہو یا وہ زمین تمہیں منحہ کے طور پر بلا معاوضہ کاشت کے لئے دی گئی ہو

اس حدیث میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ جو فرمایا کہ نہ خود سود کھاؤ نہ دوسرے کو کھلاؤ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے وہ زمین مزارعت پر لے رکھی تھی کیونکہ بعض دوسری احادیث میں بھی مزارعت کو ربٰو سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان الفاظ سے مزارعت کا حرام و ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے اور پھر اس کے ساتھ آپ کا یہ فرمانا کہ سوائے دو زمینوں کے اور کسی زمین میں کاشت نہ کرو ایک وہ زمین جس کے تم مالک ہو اور دوسری وہ زمین جو تمہیں بطور منحہ مفت کاشت کے لئے دی گئی ہو۔ یہ بھی مزارعت کی ہر شکل کے ممنوع و ناجائز ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی احادیث

عن عمرو بن دینار عن ابن عمرؓ وجابرؓ قالا نھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم عن بیع الثمر حتّی یبدو صلاحہ ونھی عن المخابرۃ کراء الارض بالثلث والربع (ص ۱۴۷ ۔ ج ۲ ۔ سنن النسائی)	حضرت عمرو بن دینار نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا پھلوں کی خرید و فروخت سے یہاں تک کہ ان میں کھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور منع فرمایا مخابرۃ سے

یعنی زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار پر لینے دینے سے۔

(۲) عن عمرو بن دینار قال سمعت ابن عمرؓ یقول کنا لا نری بالخبر بأسا حتی کان عام اول فزعم رافع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنہ، وفی روایۃ ابن عیینۃ فترکناہ من اجلہ

(ص ۱۲۔ ج ۲ صحیح المسلم)

حضرت عمرو بن دینار نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے عبداللہ ابن عمرؓ سے سنا کہ ہم مخابرہ میں کچھ حرج نہ دیکھتے تھے یہاں تک کہ پہلا سال تھا کہ حضرت رافع نے بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے پس ہم نے اس کی وجہ سے اسے ترک کر دیا۔

(۳) عن نافع ان ابن عمر کان یکری مزارعہ علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی امارۃ ابی بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وصدرا من خلافۃ معاویۃ حتی بلغہ فی آخر خلافۃ معاویۃ ان رافع بن خدیج یحدث فیھا بنھی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل علیہ وانا معہ فسألہ فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن کراء المزارع فترکھا ابن عمرؓ بعد فکان اذا سئل عنھا بعد قال زعم ابن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا۔

(ص ۱۳۔ ج ۲ صحیح المسلم)

حضرت نافع نے روایت کیا کہ عبداللہؓ بن عمرؓ اپنے کھیت کرائے یعنی مزارعت پر دیتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانۂ امارت اور حضرت معاویہؓ کے شروع کے عہد خلافت میں یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے آخر میں ان کو معلوم ہوا کہ حضرت رافع بن خدیج اس کی ممانعت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئے جب کہ میں بھی ان کے ساتھ تھا، ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کراء المزارع سے منع فرماتے رہے، لہٰذا ابن عمرؓ نے اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا، پھر بعد میں جب بھی ان سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو جواب دیتے کہ رافع بن خدیج نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے

منع فرمایا۔

(۴) عن ابن شہاب قال اخبرنی سالم ان عبد اللہ بن عمرؓ قال کنت اعلم فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض تکری ثم خشی عبد اللہ ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد احدث فی ذلک شیئاً لم یکن علمہ فترک کراء الارض۔
(ص ۳۱۵۔ ج ۱ صحیح البخاری)

حضرت ابن شہاب زہری سے روائت ہے کہ مجھے حضرت سالم نے بتلایا یہ کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں میرا علم یہ تھا کہ زمین کرائے پر دی جاسکتی ہے۔ پھر انہیں ڈر و اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے کہ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا ہو جس کا انہیں علم نہ ہو لہٰذا انہوں نے کراء الارض کو ترک کردیا۔

(۵) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال عامل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہود خیبر بشطر ما یخرج منہا من ثمر او زرع
(ص ۳۱۳۔ ج ۱ صحیح البخاری)

حضرت نافع سے روائت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر سے نصف پیداوار پر معاملہ فرمایا باغوں کے پھل میوے ہوں یا کھیتوں کے غلے ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے تعلق سے یہ جو پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں ان میں سے پہلی حدیث کے اندر مخابرہ اور کراء الارض بالثلث والربع کی ممانعت کا نہایت واضح بیان ہے۔ اسی طرح دوسری، تیسری اور چوتھی حدیث میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کراء الارض اور مخابرہ کا معاملہ کرتے تھے لیکن بعد میں انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے تو آپ نے اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیا، البتہ دوسری اور تیسری حدیث کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس معاملے کو کب ترک کیا۔ پہلی روائت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پہلے ہی سال میں اور دوسری

روائت کے مطابق حضرت معاویہؓ کی خلافت کے آخر میں۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً اڑتالیس سال بعد، کیونکہ حضرت معاویہؓ کی وفات ۶۰ھ میں ہوئی۔ چونکہ یہ دونوں روائتیں صحیحین یعنی بخاری و مسلم کی ہیں۔ لہٰذا سند و اسناد کے لحاظ سے صحیح۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ دو بالکل مختلف باتیں ایک ساتھ صحیح نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا یہ دیکھنا ہوگا کہ دوسرے قرائن و دلائل کی روشنی میں ان دو باتوں میں سے کونسی بات راجح اور زیادہ قرین قیاس ہے۔

بہر حال یہ بات کسی طرح قرین قیاس اور قابل فہم نہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو مخابرت کی ممانعت کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً پچاس سال بعد ہوا ہو جبکہ اس کے مقابلے میں پہلے سال والی بات ہر لحاظ سے قرین قیاس اور مطابق عقل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ تو ہوسکتا ہے کہ تحریم ربٰو کے اعلان کے بعد جو سن نو ہجری میں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت وکراء الارض کی جو سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی اور بعض حضرات کو اس سے روکا ایک آدھ سال تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مدینہ جیسے ایک چھوٹے سے شہر میں جہاں مسلمانوں کا آپس میں مثالی میل ملاپ تھا اور وہ ایک دوسرے کے حالات سے خوب واقفیت اور دینی مسائل و احکام کے علم اور ان کی تبلیغ و اشاعت میں بیحد دلچسپی رکھتے تھے، ایک ایسی بات کا علم حضرت ابن عمرؓ کو تقریباً پچاس سال کے بعد ہوا ہو جس کے راوی حضرت رافع بن خدیج کے علاوہ تقریباً دس صحابہؓ اور بھی تھے اور جو ایک عملی اور عام علم و مشاہدے میں آنے والی بات تھی اور جس کا شرعی جواز و عدم جواز سے تعلق تھا۔ ممکن ہے یہ بات حضرت نافع کے علاوہ نیچے کے کسی راوی نے گھڑ کر ان کی طرف منسوب کر دی ہو، بہر کیف اس دوسری بات کے مقابلہ میں پہلی بات زیادہ معقول اور قابل اعتبار ہے۔

پانچویں حدیث میں اجمال کے ساتھ اس معاملے کا ذکر ہے جو فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر سے کیا، دوسری روایات میں اس تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہودیوں کو وہاں سے نکالنا چاہا تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر ہمیں یہیں رہنے دیا جائے تو باغوں اور کھیتوں کو ہم آباد کریں گے۔ آدھی پیداوار آپؐ کو دیں گے اور آدھی ہم لیں گے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نقرکم بہا علی ذٰلک ماشئنا	ہم اس معاہدے پر تم کو ٹھہرنے
فقروا بہا حتی اجلاھم	دیں گے جب تک چاہیں گے۔ چنانچہ
عمر الی تیماء و اریحاء	وہ خیبر میں رہے یہاں تک کہ حضرت
(ص ۳۱۵۔ ج ۱ بخاری)	عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو
	وہاں سے نکال کر مقام تیماء و اریحاء
	کی طرف بھیجا۔

حدیث خیبر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے بھی متعدد صحابۂ کرام سے مروی ہے، اس حدیث میں یہود خیبر کے ساتھ جس معاہدے اور جس معاملے کا ذکر ہے کیا وہ مزارعت کا معاملہ تھا یا کسی دوسری نوعیت کا معاملہ مثلاً خراج مقاسمت کا معاملہ؟ اس میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ بعض اسے مزارعت کا معاملہ سمجھتے اور جواز مزارعت میں اس کو بطور سند اور دلیل پیش کرتے ہیں اور بعض اس کو مزارعت کا معاملہ نہیں بلکہ سیاسی نوعیت کا ایک معاہدہ مانتے ہیں جو اسلامی حکومت اور اس کے غیر مسلم ذمی شہریوں کے مابین طے پایا اور یہ کہ ان سے جو نصف پیداوار لینا طے پائی تھی وہ خراج مقاسمت کے طور پر تھی مزارعت کے طور پر نہ تھی۔

جو حضرات معاملۂ خیبر کو مزارعت کا معاملہ نہیں مانتے مختصر طور پر ان کے دلائل یہ ہیں:

(۱) جس سیاق و سباق اور جس پس منظر میں یہ معاملہ طے پایا وہ اس معاملہ کے مزارعت ہونے پر نہیں بلکہ سیاسی معاہدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، وہ سیاق و سباق اور پس منظر خود اس مفصل حدیث میں مذکور ہے جس میں اس معاملے کا بیان ہے اور وہ یہ کہ جنگ میں مسلمانوں کو فتح اور یہودیوں کو شکست ہوئی اور فتح کے بعد مسلمانوں نے یہ طے کیا کہ یہودیوں کو خیبر سے نکالا جائے

کیونکہ اب یہ علاقہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت کی طرح ہو گیا تھا۔ یہودیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کو خیبر سے نکالا جا رہا ہے تو انہوں نے جلا وطنی کی مصیبت سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ اگر ہمیں یہیں ٹھہرنے دیا جائے تو باغوں اور کھیتوں کے جملہ کام ہم انجام دیں گے جو پیداوار ہو گی وہ نصف آپ کے لئے اور نصف ہمارے لئے ہو گی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کر کے ان سے مشروط معاہدہ فرمالیا۔ یہ تھا وہ سیاق و سباق اور پس منظر جس میں یہ معاملہ طے پایا۔ ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے یہ ایک خالص سیاسی نوعیت کا معاملہ بلکہ معاہدہ تھا جو حکومت ہی کے ذریعے طے پایا، حکومت ہی کی نگرانی میں چلتا رہا اور پھر خلافت فاروقی میں حکومت ہی کے ذریعے ختم بھی ہوا۔ یہودی بحیثیت ذمیوں کے تھے اور وہ پھلوں اور غلّوں کا جو نصف حصہ ادا کرتے تھے وہ بطور خراج کے تھا جسے حکومت کا نمائندہ بیت المال کے لئے وصول کرتا اور پھر بیت المال ہی کے ذریعے وہ مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور یہ دراصل عوض تھا اس ٹھہرنے اور امن و امان دینے کا جس کی یہود نے درخواست کی تھی اور جس کے عوض انہوں نے خود نصف پیداوار دینا طے کیا تھا، بہرحال یہ معاملہ مزارعت کا سا معاملہ نہ تھا جو دو اشخاص یعنی مالک زمین اور کاشت کار کے درمیان آزادانہ طے پاتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ کہ اس حدیث میں " نقرکم بها علیٰ ذٰلك ما شئنا " کے جو الفاظ ہیں وہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ نہ تھا کیونکہ اس میں ایک فریق کو یکطرفہ طور پر یہ اختیار تھا کہ وہ جب چاہے اسے ختم اور فسخ کر سکتا ہے۔ جبکہ معاملہ مزارعت میں ضروری ہوتا ہے کہ مقررہ مدت کے بعد دونوں فریق اپنی مرضی سے اسے ختم کریں۔ ایک فریق اپنی یک طرفہ مرضی سے اسے ختم نہیں کر سکتا۔

(۳) تیسری دلیل یہ کہ فتح خیبر کے بعد یہود خیبر کی حیثیت ذمیوں کی تھی جن پر قرآن مجید کے واضح حکم کے مطابق جزیہ و خراج عائد ہوتا تھا جس طرح مسلمانوں پر زکوٰۃ و عشر، اور حکومت پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ان سے جزیہ و خراج وصول

کر کے قومی بیت المال میں داخل کرے۔ لیکن یہ تاریخی واقعہ ہے کہ یہود خیبر سے سوائے نصف پیداوار کے اور کچھ وصول نہیں کیا گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہود خیبر سے جو نصف پیداوار وصول کی جاتی تھی وہ خراج کے طور پر تھی مزارعت کے طور پر نہ تھی۔ ورنہ یہ لازم آئے گا کہ یہود خیبر کی حد تک قرآن کی آئت جزیہ پر عمل نہیں ہوا۔

(۴) چوتھی دلیل جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ خیبر مزارعت کا معاملہ نہ تھا یہ کہ اور تو اور خود حدیث خیبر کے راوی بھی اس معاملہ کو مزارعت کا معاملہ نہ سمجھتے تھے۔ مثلاً اس حدیث کو روائت کرنے والوں میں دو نمایاں صحابی حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں اور دونوں مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مخابرے کا کاروبار کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب انہوں نے حضرت رافع بن خدیج سے ممانعت کی حدیث سنی تو مخابرہ اور کراء الارض کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور پھر عدم جواز کا فتویٰ دیتے رہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت عبداللہ بن عمر کے نزدیک یہود خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ ہوتا تو وہ نہ صرف یہ کہ مزارعت کو ترک نہ کرتے بلکہ رافع بن خدیج کو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ جس معاملہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر دم تک اور پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے عمل کیا وہ کیسے ممنوع و ناجائز کہا جاسکتا ہے بلکہ اس موقع پر اس سے بہتر اور قوی دلیل دوسری کوئی نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ معاملہ خیبر سے کسی کو انکار نہ تھا۔ لیکن ایک روائت کے مطابق حضرت ابن عمرؓ نے یہ فرمایا کہ ہوسکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ و مزارعہ کی ممانعت فرمائی ہو اور انہیں اس کا علم نہ ہوا ہو۔ لہٰذا انہوں نے حضرت رافع بن خدیج کی روائت کردہ حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے مزارعت و کراء الارض کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔

اسی طرح اگر حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے نزدیک معاملہ خیبر، مزارعت کا معاملہ ہوتا جس پر نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رہا بلکہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کا بھی عمل رہا تو اس پر عمل کرنا سنت رسولؐ اور سنت شیخینؓ پر عمل

کرنا تھا لہٰذا حضرت ابن عمرؓ جیسے عاشق سنّت سے کیسے ممکن تھا کہ وہ اس سنّت پر عمل کرنا چھوڑ دیتے۔ نتیجہ یہ کہ ان کا مزارعت پر عمل کو ترک کر دینا: اس پر قطعی دلالت کرتا ہے کہ معاملہ خیبر ان کے نزدیک مخابرہ ومزارعہ کا معاملہ نہ تھا۔

تعجب ہے بعض حضرات کی سمجھ اور روش پر کہ ایک طرف وہ یہ کہتے ہیں کہ معاملۂ خیبر، یقیناً مزارعت کا معاملہ تھا۔ اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا عمل درآمد رہا۔ گویا مزارعت پر عمل کو وہ ایک سنّت تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی فرماتے ہیں کہ عبدؓ اللہ بن عمرؓ نے محض تقویٰ اور احتیاط کی وجہ سے مزارعت پر عمل کو ترک کر دیا اور یہ نہیں سوچتے کہ تقویٰ وورع سنّت پر عمل کرنے میں ہے یا سنّت کو ترک کرنے اور اس پر عمل چھوڑ دینے میں اور پھر نہایت دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ ایک صاحب اپنی کتاب "مسئلہ ملکیتِ زمین" میں اس بحث کے حاشیے پر لکھتے ہیں "کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں احتیاط، ورع کی حد سے گزر کر تشدّد تک پہنچ گئی تھی اور آخر عمر میں تو اس نے ایک حد تک وہم کی سی صورت اختیار کر لی تھی"۔ بتلائیے اپنے اس غلط خیال کی تائید میں کہ خیبر کا معاملہ مزارعت کا معاملہ تھا ایک عظیم اور جلیل القدر صحابی کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ وہم کے مریض بن گئے تھے کس قدر بے احتیاطی اور گستاخی کی بات اور کتنی غلط روش ہے؟ کیا ایسا لکھنے والا ایک متواضع اور متوازن ذہن کا آدمی ہو سکتا ہے؟

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ حدیث خیبر کے ایک راوی عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک معاملۂ خیبر، مزارعت وکراء الارض کا معاملہ نہ تھا ورنہ وہ نہ اسے کبھی ترک کرتے اور نہ اس کے عدم جواز کے قائل ہوتے۔

اسی طرح حدیث خیبر کے دوسرے اہم راوی حضرت عبدؓ اللہ بن عباسؓ بھی معاملۂ خیبر کو مزارعت کا معاملہ نہ سمجھتے تھے اس کا ثبوت یہ کہ ان سے متعلق بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مزارعت کو ایک غیر اولیٰ اور مکروہ معاملہ کہتے تھے جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہوتا ہے، اس بارے میں ہم ان کی احادیث و روایات کچھ آگے نقل کریں گے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے، یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اگر معاملۂ خیبر ان کے نزدیک مزارعت کا معاملہ ہوتا جس پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دو خلفاء راشدین

کا عمل رہا تو وہ معاملۂ مزارعت کو کبھی بھی غیر اولیٰ اور مکروہ معاملہ نہ کہتے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیٰ کے مقابلہ میں غیر اولیٰ اور مستحب کے مقابلہ میں مکروہ کو اختیار کیا حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ آپؐ ہمیشہ اولیٰ اور مستحب کو اختیار فرماتے تھے، بالفاظِ دیگر جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "خَیْرٌ" فرما کر اسے اختیار کرنے کی ترغیب دوسروں کو دی ہو کیسے ممکن ہے کہ آپؐ خود اس کو اختیار نہ فرماتے اور لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق بنتے۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے ایک روایت ایسی بھی مروی ہے جس میں مزارعت کی صریح ممانعت ہے وہ یہ ہے۔

عن ابن عباس اذا اراد احدکم ان یعطی اخاہ ارضاً فلیمنحہا ایاہ ولا یعطہ بالثلث والربع (ص ۷۰ ج ۸ کنز العمال، طبرانی)	حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو زمین دینا چاہے تو اسے یونہی مفت دے تہائی چوتھائی پر نہ دے۔

اس روائت کے آخری الفاظ " ولا یعطہ بالثلث والربع " صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ زمین مزارعت پر دینے سے روکتے تھے اور یہ معاملہ ان کے نزدیک جائز معاملہ نہ تھا اور اگر معاملۂ خیبر ان کے نزدیک مزارعت کا معاملہ ہوتا تو مزارعت سے کسی کو نہ روکتے اور نہ اسے ممنوع و ناجائز سمجھتے، علامہ حافظ ابوبکر الحازمی نے اپنی کتاب " الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الاخبار " میں صفحہ ۱۷۲ پر جہاں ان صحابۂ کرام کے نام لکھے ہیں جو مزارعت کو فاسد معاملہ سمجھتے اور کہتے تھے ان میں سرِ فہرست حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام ہیں۔

حدیث خیبر کے تیسرے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی معاملۂ خیبر کو مزارعت کا معاملہ نہ سمجھتے تھے اور مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث کی وجہ سے مزارعت کو ناجائز کہتے تھے اسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ بہر حال اگر معاملۂ خیبر حضرت ابوہریرہؓ کے نزدیک مزارعت کا معاملہ ہوتا تو وہ کبھی مزارعت کو ممنوع و ناجائز معاملہ نہ کہتے۔ یہ ایک ایسی موٹی بات ہے جو بادنیٰ تامل ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے بشرطیکہ وہ سمجھنے کیلئے آمادہ ہو۔

(جاری ہے)

تعارفِ کُتب

ادارہ

محاسنِ موضح القرآن

تالیف: مولانا اخلاق حُسین قاسمی

شائع کردہ: ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکادمی، بھیرہ
(۱۸×۲۲/۸ کے ۸۵۶ صفحات: عمدہ سفید کاغذ، اعلیٰ جلد: ہدیہ درج نہیں)

اس کتاب کے تعارف میں اپنی جانب سے کچھ عرض کرنے کے بجائے ہم کتاب ہی سے تین چیزیں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

۱۔ تقریظ از قلم مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مہتمم دار العلوم دیوبند

۲۔ "ترجمۂ قرآن کی تحریک رُو بہ زوال" از قلم مولانا اخلاق حسین قاسمی (ص۵۵)

۳۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ایک عارفانہ قول (ص۵۶)

۱۔ تقریظ از قلم مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند ـــــــ!!

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی فاضل دیوبند نے تفسیری سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشہورِ زمانہ ترجمہ کی وضاحت اور تاجرانہ انداز پر چھپے ہوئے تراجم کی اغلاط کی اصلاح کے لئے انتہائی دلچسپی، عرق ریزی اور کاوش کے ساتھ یہ کام بطورِ ایک مہم کے سرانجام دیا ہے اور اس ترجمے کے راستے سے درحقیقت قرآن حکیم کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ یومِ آغاز سے اب تک تسلسل کے ساتھ

بلا انقطاع مقبولیت کی اعلیٰ سطح پر پہنچا ہوا ہے جس میں خاندانِ ولی اللّٰہی کے فکر کی جھلکیاں غلبہ کے ساتھ صاف طور پر نمایاں ہیں۔ ترجمہ تحت اللفظ ہونے کے باوجود معنی خیز اور قرآن کے حقیقی مفہوم کی پوری پوری ترجمانی پر مشتمل ہے۔ حضرت ممدوح ترجمہ میں کہیں بھی کوئی ایسا زائد لفظ استعمال نہیں فرماتے جو قرآن کے اصل مفہوم سے زائد یا کم ہو۔ مثلاً قرآنی کلمات "الطیبات للطیبین" کے ترجمہ میں بعض ترجمہ نگاروں نے — "الطیبات للطیبین" کا ترجمہ اچھی چیزیں واسطے اچھے لوگوں کے، یا اچھی عورتیں، یا اچھی اشیاء وغیرہ کلمات سے کیا ہے۔

یہ ترجمہ خواہ غلط نہ ہو اور قرآنی مفہوم عام میں داخل بھی ہو لیکن الفاظِ قرآن سے یقیناً زائد ہے جسے تفصیل یا توضیح کا درجہ دیا جاسکے گا مگر قرآن کا اصل مفہوم نہیں کہا جاسکے گا۔

اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے الفاظِ قرآنی کے حقیقی مفہوم عام کو بجنسہٖ باقی رکھتے ہوئے ترجمہ فرمایا کہ اچھیاں واسطے اچھوں کے اور بُریاں واسطے بُروں کے، جس میں عورتیں، چیزیں، اشیاء وغیرہ سب آجاتی ہیں جو حقیقی معنی میں قرآن کا مفہوم عام ہیں۔ اس ترجمہ کی بلاغت وہ ہے جس کے بارے میں میں نے اپنے بزرگوں سے حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنا ہے:

"کہ اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ کی ہیں۔"

گویا ان کے نزدیک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کو اردو میں پورا پورا منتقل کردیا ہے کہ وہ عین قرآن تو نہیں ہے مگر مثل مفہوم قرآن ضرور بن گیا ہے قرآنی مفہوم جس انداز سے عربی میں ادا ہوا ہے اسی انداز سے وہ اردو میں بھی ادا ہوگیا ہے۔ جس سے حضرت شاہ صاحبؒ کی قرآن فہمی، بلاغت بیانی، زبانوں کے فروق اور ایک زبان سے دوسری زبان میں مفہوم کو پورا پورا منتقل کردینے کی قدرت نمایاں ہے۔

اس لئے میرے والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترجمۂ قرآن تحریر فرمانے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت نے فرمایا "حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہوتے ہوئے میرے نزدیک

جدید ترجمہ کی ضرورت نہیں، البتہ زبان کی قدامت کی وجہ سے کہیں کہیں قدیم الفاظ کی موجودہ زبان میں توضیح کافی ہوگی۔"

بہرحال متقدم اور متاخر علماء تلامذہ خاندان ولی اللّٰہی کا تصور، ترجمۂ قرآن کے بارہ میں ان دو واقعوں سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس لئے مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے کی یہ کاوش اور عرق ریزی، جو انہوں نے اس ترجمہ کے حل مشکلات اور توضیحات مغلقات کے سلسلے میں کی ہے، احقر کے نزدیک حضرت شیخ الہندؒ کے نقش قدم کی پیروی ہے جو ان شاء اللہ مقبولیت پر مقبولیت کا نشان ہے اور ان شاء اللہ ایک عظیم خدمت ہونے کے ساتھ، اقتفاء آثار سلف کی وجہ سے دگنا مقبولیت کا ضامن ہے۔

مولانا قاسمی نے اپنی اس کاوش کو اردو زبان کی تدریجی ترقی کی تاریخ اور فقہ اللغۃ کے اصول پر بہترین انداز میں واضح فرمایا ہے۔ اور محققانہ طریقہ پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قابل قدر مدافعت بھی فرمائی جو ہم سب خدام شاہ صاحب کا فریضہ تھا، جسے مولانا موصوف نے پورے حلقہ کی طرف سے بطور فرض کفایہ ادا کیا ہے۔

پھر مستند موضح القرآن کی طباعت و کتابت کا نمونہ بھی دیدہ زیب اور دلکش ہے جس سے اس ترجمہ کے ظاہر و باطن کی عظمت نورٌ علیٰ نور ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور قرآنی خدمت کے صلہ میں انہیں اپنے سے وابستہ فرمائے۔ جب کہ قرآن بنص حدیث باطن حق سے نکلا ہوا ہے۔ جس کا تعلق بھی باطن خداوندی سے ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تبرک بالقرآن فانہ کلام اللہ	قرآن سے برکت حاصل کرو۔ وہ
وخرج منہ	اللہ کا کلام ہے اور اس سے نکلا ہے

اس لئے اس کا خادم بھی پُرامید ہے کہ باطن حق سے ہی وابستہ ہوگا۔

تمنا ہے کہ اس قرآنی خدمت کی وجہ سے آخرت میں جو مولانا کی آؤ بھگت ہو تو ہم گنہ گاروں کو بھی یاد رکھیں۔

(محمد طیب رئیس دارالعلوم دیوبند، ۹۹-۱۲-۹ھ)

۲۔ ترجمۂ قرآن کی تحریک روبہ زوال"

از قلم: مولانا اخلاق حسین قاسمی

اب ترجمۂ قرآن کریم کی یہ تحریک رُوبہ زوال ہو رہی ہے اور جس تحریک نے مسلمانوں کے اندر عقائد حقہ پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا وہ سلسلۂ تعلیم و تبلیغ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جماعت ولی اللّٰہی کا ایک بڑا طبقہ اس تحریک سے دلچسپی لینے کے بجائے اس کی جگہ اردو کتابوں کے مذاکرہ کو اہمیت دے رہا ہے۔ اس طبقہ میں دینی مذاکروں اور دینی اجتماعات کے اندر "درس قرآن" کا کوئی پروگرام نہیں رکھا جاتا بلکہ اردو کتابوں کی تلاوت کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ امام مسجد نماز کے بعد قرآن شریف کی چند آیات پڑھ کر ان کا ترجمہ اور آسان مطلب بیان نہیں کرتا، بلکہ فضائل اعمال کی چند حدیثوں کا اردو ترجمہ پڑھ کر دعا کرا دیتا ہے۔

دین داروں کی زبان پر قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کا نام نہیں آتا بلکہ چند مخصوص اردو کتابیں ہیں جن کا اٹھتے بیٹھتے ذکر خیر کیا جاتا ہے۔ آپ کو مساجد میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کی کتابیں کم نظر آئیں گی فضائل کی اردو کتابیں زیادہ نظر آئیں گی۔

حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے پورے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ کی یہ برکت ہے:

۱۔ اس کے پڑھنے سے بچوں اور بچیوں اور کم علم لوگوں میں فطری سلامتی قائم رہتی ہے اور خدا تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ہر انسان کو جو فطرتِ سلیم عطا فرمائی ہے وہ ماحول کے بُرے اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔

۲۔ اور اگر ماحول کے برے اثرات مسلمانوں کو گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں تو پھر بھی اس ترجمہ کی برکت سے مسلمانوں کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

(نوٹ) مقدمہ فتح الرحمان کے مذکورہ بالا اقتباسات اس قلمی نسخہ سے لئے گئے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں موجود ہے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین کی دوسری کتابوں کے پڑھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ حاصل ہوتا ہے۔ بے شک دین کی ہر کتاب پڑھنے سے فائدہ پہنچتا

ہے مگر جو بات کلام خداوندی اور اس کے ترجمہ و تشریح کے اندر ملتی ہے وہ دوسری جگہ کہاں ؟

۳ حضرت مولانا حُسین احمد مدنیؒ کا ایک عارفانہ قول

ماخوذ از محاسن موضح القرآن صہ۵۶

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے مراد آباد جیل کے اندر درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا تھا۔ حضرت مدنیؒ نے اس مجلس میں کلام اللہ کے الفاظ کی روحانی تاثیر پر اظہارِ خیال فرماتے ہوئے کہا تھا :

"جو سلوک کلام اللہ کے ذریعے ہو وہ قوی اور پائیدار ہوتا ہے مگر دیر سے ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان قرآن حکیم کے دیگر عجائبات میں لگ جاتا ہے۔ اور ذکر کے ذریعہ طبیعت جلد متوجہ ہوتی ہے۔ مگر وہ اس قدر پائیدار نہیں ہوتی۔"

(سات مجلسیں صہ۴۸)

●

ڈاکٹر ابصار احمد ڈائرکٹر قرآن اکیڈمی

کی تالیف (بزبان انگریزی) صفحات ـ ۱۶۰

کانٹ اور کرکیگارڈ

ایک تقابلی مطالعہ

عنقریب شائع ہو رہی ہے !

ناشر : مکتبہ کارواں، کچہری روڈ، لاہور

Regd. L. No. 8193

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol 2 | AUGUST 1983 | No. 6

مرکزی **انجمن خدام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان ——— اور ——— **سرچشمۂ یقین**

قرآن حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ امت مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدید ایمان** کی ایک عمومی تحریک پیدا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی **نشأۃ ثانیہ** ——— اور ——— **غلبۂ دین حق** کے دور ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ